Tele : 7500

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

دسمبر ۱۹۵۸ء

زمین

کے متعلق قرآن میں ہے۔ والارض وضعها للانام ($\frac{۵۵}{۱۰}$)
خدا نے زمین کو تمام مخلوق کے فائدے کے لیے پیدا کیا ہے۔
اس لیے اس پر تمام ضرورت مندوں کا مساوی حق ہے۔ (سواء
للسائلین۔ $\frac{۴۱}{۱۰}$) رسول اللہ (ص) نے فرمایا۔ ان الارض ارض اللہ و
العباد عباد اللہ (ابو داؤد)۔ زمین اللہ کی ہے اور بندے بھی اللہ
ہی کے ہیں۔ اس لیے زمین اللہ کے بندوں کے لیے رہنی چاہیے۔
کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہونی چاہیے۔ حضرت عمر (رض) کا فیصلہ
تھا کہ لنا رقاب الارض (کتاب الاموال) زمین خلافت (مملکت) کی
ہے۔ اس پر کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوسکتی۔

شائع کردہ:-

ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵۔ بی گلبرگ لاہور

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

بدل اشتراک
ہندوستان اور پاکستان سے سالانہ آٹھ روپے
غیر ممالک سے ۱۴ شلنگ

قیمت فی پرچہ
ہندوستان اور پاکستان سے
بارہ آنے

ٹیلیفون نمبر: 7500
خط وکتابت کا پتہ: ناظم ادارہ طلوع اسلام
۲۵-بی گل برگ کالونی لاہور

جلد ۱۱ — دسمبر ۱۹۵۸ء — نمبر ۱۲

فہرست مضامین

لمعات		۲
جہنم		۹
محترم پرویز صاحب کی طرف سے صدر زرعی اصلاحات کمشنر لاہور کے نام	کھلی چٹھی	۱۵
دستور پاکستان		۱۸
حقائق و عبر		۲۳
قرآن چھوڑ کر ہم نے کیا کھویا؟	محترم رحمت اللہ طارق پاکستانی (مکہ مکرمہ)	۲۸
رابطۂ باہمی		۳۶
سلسلۂ کتاب "جمع القرآن"		۴۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

عسکری نظام نے گذشتہ چھ سات ہفتے کے دوران میں جس قدر جرائم کی تفتیش و تحقیق کی ہے، جتنے مجرموں کو اپنی گرفت میں لیا ہے اور جتنے چھپے ہوئے چہروں کو بے نقاب کیا ہے۔ اگر ان کا تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ (باستثنائے معدودے چند) ان سب کا تعلق کسی نہ کسی نوعیت سے "افراطِ زر" کے ساتھ تھا۔ انھوں نے بے محابا دولت سمیٹی اور اس کے لئے ہر حربہ استعمال کیا۔ ایسا کرتے وقت ان میں سے کسی نے نہ سوچا کہ ان کی ان حرکات سے ملک اور قوم پر کیا تباہی آ رہی ہے۔ سمگلر اپنی ہوسِ زر کی تسکین کے لئے ملک کی پیداوار کو دوسرے ملک میں منتقل کرتا رہا، نتیجہ یہ کہ اپنا ملک، سب کچھ ہونے کے باوجود، باہر کے ملکوں سے غلہ خریدنے پر مجبور ہو گیا اور اس طرح اس کا خارجی سکے (Foreign Exchange) کا نظام درہم برہم ہو گیا۔ چور بازاری کرنے والوں نے اس کا کوئی خیال نہ کیا کہ ان کی اس روش سے عوام کی قوتِ خرید پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اور ملک کا معاشی توازن کس بُری طرح سے بگڑتا ہے۔ احتکار (HOARDING) کرنے والوں کو اس کا کوئی احساس نہ ہوا کہ جس سامان اور متاع کو ملک کے رگ و پے میں خونِ زندگی بن کر دوڑنا چاہیئے اسے ایک مقام پر روک رکھنے سے صارفین (consumers) کا کس طرح گلا گھٹ جاتا ہے۔ ملک کے ان دشمنوں۔ مملکت کے غداروں۔ قوم کے رہزنوں اور قزاقوں۔ غریبوں کے قاتلوں اور سفاکوں کو اس کا قطعاً خیال نہ آیا کہ ان کے سونے اور چاندی کے ڈھیروں کے نیچے، مظلوم انسانیت کس طرح تڑپ تڑپ کر جان دے رہی ہے۔

انھیں اپنے جرائم کی سنگینی کا قطعاً کوئی خیال نہ آیا۔ اور نہ ہی آنا چاہیئے تھا۔ اس لئے کہ جس طرح انسان شراب کے نشے میں بدمست ہو کر جانتا ہی نہیں کہ وہ کیا کہہ رہا اور کیا کر رہا ہے۔ اسی طرح، اگر اس کے جذبۂ مفاد پرستی کو بے لگام چھوڑ دیا جائے تو وہ دولت کے نشے میں مدہوش ہو کر کچھ سمجھتا سوچتا نہیں کہ اس کی ان حرکات کا نتیجہ کیا ہے۔ اس میں سمجھنے اور سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی۔ ہوسِ زر اس کے کانوں اور دل پر مہریں لگا دیتی اور اس کی آنکھوں پر پردے ڈال دیتی ہے۔ اس کے بعد نہ اسے اپنے اور پرائے کی کوئی تمیز رہتی ہے۔ نہ جائز اور ناجائز میں کوئی فرق۔

عسکری نظام نے ان انسانیت کش درندوں کو پنجروں میں ڈال دیا۔ اچھا کیا۔ اس نے ان کے اموال اور جائدادوں کو ضبط کر لیا۔

بہت اچھا کیا۔ لیکن یہ ہنگامی تدابیر ہیں جن سے ملک اور قوم، وقتی طور پر ان درندوں کی سبعیت و بربریت سے محفوظ ہو گئی۔ سوال یہ ہے کہ ان درندوں سے مستقل طور پر بچنے کی تدبیر کیا ہے۔ وہ کونسا طریق ہے جس سے قوم ان بھیڑیوں کی ہوسِ خون آشامی سے ہمیشہ کے لئے محفوظ و مصئون ہو جائے۔ وہ کونسی ذوالقرنینی دیوار ہے جو اس قسم کے "یاجوج و ماجوج" کی روک تھام کا ایسا انتظام کر دے کہ ان کی یورش کے لئے کوئی شگاف باقی نہ رہے۔

اس قسم کی آہنی دیوار کا فارمولا قرآن سے ملتا ہے۔ اگر اس کے مطابق عمل کر لیا جائے تو پھر انسانیت کے لئے اس سیلاب بلا کا کوئی خطرہ باقی نہیں رہتا۔ وہ کہتا ہے کہ دولت (روپے پیسے) سے مقصود صرف یہ تھا کہ اس سے انسان اپنی ضروریاتِ زندگی خرید سکے۔ شروع شروع میں، اشیائے ضروریہ کا باہمی مبادلہ ہوتا تھا جسے (Barter System) کہا جاتا ہے۔ جب نقل و حرکت کے بڑھنے سے اس طریق میں دشواریاں پیدا ہوئیں تو انسان نے سکہ ایجاد کیا تاکہ اسے آسانی سے ادھر ادھر لیجا سکے اور اس طرح اپنی ضروریات خرید سکے۔ لیکن رفتہ رفتہ یہی سکہ (ایک جگہ جمع ہو کر) دوسرے انسانوں کو غلام بنانے کا ذریعہ بن گیا اور یوں وہ چیز جو محض ضروریاتِ زندگی خریدنے کا ایک ذریعہ تھی، معاشرہ میں فسادِ عظیم برپا کرنے کا موجب بن گئی۔

قرآن نے کہا کہ دولت کا جمع کرنا، انسانیت کے خلاف جرمِ عظیم ہے۔ اَلَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ "جو لوگ چاندی اور سونے کو جمع رکھتے ہیں اور اسے نوعِ انسانی کی فلاح و بہبود کے لئے کھلا نہیں چھوڑتے، تو ان کے لئے دردانگیز سزا کا اعلان کر دے۔" یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُکْوٰی بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ "جس دن سیم و زر کے ان جمع کردہ ٹکڑوں کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا اور ان سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشت کو داغ دیا جائے گا۔ هٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ" اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہ دولت ہے جسے تم نے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر جمع کر رکھا تھا۔ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ (۹/۳۵) "سو تم اپنی جمع کردہ دولت کے عذاب کا مزہ چکھو۔" لہٰذا قرآن نے اس فساد کو روکنے کے لئے جو علاج تجویز کیا ہے اس کی پہلی شق یہ ہے کہ دولت کا جمع کرنا جرمِ عظیم ہے اور اس کی سزا بڑی سخت۔ اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ افراد کو کس حد تک روپیہ پیسہ رکھنے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ "یہ تم سے پوچھتے ہیں کہ ہم کتنی دولت کو کھلا رکھیں؟" جواب میں کہا گیا۔ قُلِ الْعَفْوَ (۲/۲۱۹)۔ "جتنے پیسوں میں تمہاری ضروریاتِ زندگی خریدی جا سکیں بس اتنے ہی اپنے پاس رکھو۔ باقی دولت ملت کے اجتماعی کاموں کے لئے چھوڑ دو۔" مختصر الفاظ میں یوں سمجھئے کہ قرآن کی رُو سے فاضلہ دولت (Surplus Money) کسی فرد کے پاس نہیں رہ سکتی۔ ایسا کرنا قانوناً جرم ہے اور اس کی سزا بڑی سخت۔

"دولت کو کھلا رکھنے سے" مفہوم یہ ہے کہ یہ ملت کے اجتماعی نظام (Social Order) کی تحویل میں رہے اور آزادانہ گردش کرتی رہے۔ اس کی گردش (circulation) کے متعلق بھی قرآن نے تاکید کر دی کہ ایسا

نہ ہو کہ یہ صرف اوپر کے طبقہ میں گھومتی پھرتی رہے (کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَةً بَیْنَ الْاَغْنِیَاءِ مِنْكُمْ ۵۹/۷) اسے ملت کے ہر طبقے میں یوں گردش کرنا چاہیئے جیسے ایک تندرست و توانا جسم میں خونِ زندگی ہر رگ و پے میں گردش کرتا اور پورے کے پورے جسم کے لئے وجہِ زیست بنتا ہے۔

یہ تو رہا دولت کے متعلق۔ جہاں تک ان سرچشموں کا تعلق ہے جن سے دولت پیدا ہوتی ہے، قرآن انھیں بھی افراد کی ملکیت میں نہیں دیتا۔ پیداوار کے سرچشموں میں بنیادی حیثیت ارض (زمین) کو حاصل ہے۔ اس باب میں قرآن کا **واضح فیصلہ ہے کہ** زمین کو نوعِ انسانی کی پرورش کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ (۵۵/۱۰) اس لئے اسے **تمام** ضرورتمندوں کی ضروریات پورا کرنے کے لئے یکساں طور پر کھلا رہنا چاہیئے۔ (سَوَاءً لِّلسَّائِلِيْنَ ۴۱/۱۰) لہٰذا جس طرح سورج کی روشنی اور حرارت۔ فضا میں پھیلی ہوئی ہوا اور پانی نوعِ انسانی کی ضروریات کے لئے کھلے رہتے ہیں، اسی طرح زمین کو بھی تمام افراد کی ضروریات پورا کرنے کے لئے کھلا رہنا چاہیئے۔ کسی کو حق حاصل نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ اس پر سانپ بن کر بیٹھ جائے۔ لہٰذا قرآن کی رو سے زمین (خواہ وہ زرعی ہو یا سکنی) **انفرادی ملکیت میں نہیں دی جا سکتی۔ اسے ملت کے اجتماعی نظام کی تحویل** میں رہنا چاہیئے تاکہ اس سے تمام افرادِ مملکت کی پرورش کا انتظام ہو سکے۔ وہی نظام یہ سوچے گا کہ اس کے لئے کس قسم کا انتظام کیا جائے جس سے تمام افرادِ مملکت کی (خوراک اور رہائش وغیرہ کی) ضروریات پوری ہوتی رہیں۔

نزولِ قرآن کے وقت کارخانہ داری کا رواج نہیں تھا اس لئے اس نے بالتخصیص تو نہیں کہا کہ کارخانے بھی ذاتی ملکیت میں نہیں رہ سکتے۔ لیکن اس نے جس معاشی نظام کا نقشہ پیش کیا ہے اس کی روشنی میں یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ کوئی سسٹم جس میں کوئی شخص محض روپیہ لگا کر دولت کماتا چلا جائے، جائز قرار نہیں پا سکتی۔ وہ ہر فرد کا اس میں سے حصہ قرار دیتا ہے جسے وہ خود کمائے۔ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۚ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ۔ (۴/۳۲) وہ دوسروں کی کمائی پر جینے والوں کو مترفین کہتا اور انھیں مجرم قرار دیتا ہے۔ دوسروں کی کمائی پر جینے کی شکلیں بہت سی ہو سکتی ہیں لیکن قرآن نے اس باب میں جو چند اصول بیان کئے ہیں وہ ان تمام متنوع شکلوں کو محیط ہیں۔ اس کی ایک شکل یہ ہے کہ جس شخص سے آپ کوئی کام لیں اسے اتنا ادا نہ کریں جتنے کا وہ کام کرتا ہے۔ مثلاً مل کا ایک کاریگر، ایک ماہ میں اتنا کام کرتا ہے جس سے مل کو ایک ہزار روپیہ منافع حاصل ہو جاتا ہے لیکن اس کاریگر کو مل کی طرف سے صرف دو سو روپیہ ماہوار ملتا ہے۔ یا کاشتکار کی سال بھر کی محنت سے پانچ سو روپے کی قیمت کا غلہ پیدا ہو جاتا ہے لیکن زمیندار اسے اس کا نصف ہی دیتا ہے باقی نصف اپنے پاس رکھ لیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نظامِ سرمایہ داری کی اساس و بنیاد اسی پر ہے۔ تاریخِ انسانیت میں وہ دن سب سے زیادہ منحوس تھا جب پہلے پہل کسی کارندے نے اپنے مالک کو اس سے زیادہ کما کر دیا جتنا اس کارندے پر مالک کا خرچ آتا تھا۔ سرمایہ داری کے نظام کی پہلی اینٹ اس دن رکھی گئی تھی۔ قرآن نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ اَلَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ (۸۳/۲-۳)

"یہ وہ لوگ ہیں کہ جب دوسروں سے لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں"

اس کی دوسری شکل وہ ہے جس کی رُو سے مذہبی پیشوا اور روحانی راہ نما، لوگوں کے دلوں میں اپنی عقیدت پیدا کر کے ' ان کی کمائی پر عیش اُڑواتے ہیں۔ ان کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّھْبَانِ لَیَاْ کُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (۹/۳۴) " یقیناً علماء و مشائخ میں بیشتر وہ ہیں جو لوگوں کی کمائی۔ جس پر انھیں کوئی حق نہیں کھاتے ہیں۔ اور اس طرح انھیں خدا کی راہ سے روکتے ہیں"

اس کی ایک شکل وہ ہے جس کی رو سے ایک کروڑپتی دولتمند یا بہت بڑے زمیندار کا بیٹا پیدائش کے ساتھ ہی امیر کبیر یا ہزاروں ایکڑ زمین کا مالک بن جاتا ہے۔ اور پھر بڑا ہو کر اپنی اس دولت یا زمین کے بل بوتے پر دنیا بھر کی دولت اکھٹی کرتا چلا جاتا ہے۔ انہی کے متعلق قرآن میں ہے وَ تَاْ کُلُوْنَ التُّرَاثَ اَکْلًا لَّمًّا وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا (۸۹/۱۹-۲۰) " تم وراثت کو (شیر مادر سمجھ کر) ہڑپ کر جاتے ہو اور دولت کو بُری طرح سے سمیٹتے چلے جاتے ہو[1]"

ان حقائق کی روشنی میں واضح ہے کہ قرآن کی رُو سے کارخانے بھی انفرادی ملکیت کی چیز نہیں ہو سکتے۔ یوں بھی جب قرآنی نظام میں فاضلہ دولت افراد کے پاس نہیں رہے گی تو کارخانے لگانے اور جائدادیں خریدنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

اصل یہ ہے کہ قرآنی نظام کی رُو سے دولت یا ذرائع پیداوار (زمین۔ کارخانے وغیرہ) کی حیثیت ہی مختلف ہو جاتی ہے۔ اس نظام کا اصل الاصول یہ ہے کہ یہ نظام (جسے دورِ حاضرہ کی اصطلاح میں مملکت کہہ لیجئے) اس امر کی ذمہ داری لیتا ہے کہ وہ تمام افراد مملکت کی بنیادی ضروریات زندگی بہم پہنچائے گا۔ اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وسائل پیداوار اس کی تحویل میں رہیں۔ اس نظام کی بنیاد نبی اکرمؐ کے مقدس ہاتھوں سے رکھی گئی تھی۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں یہ آگے بڑھا۔ اگر ان کی عمر ایفا کرتی تو یہ اپنی آخری شکل میں پوری مملکت میں نافذ ہو جاتا۔ اس نظام کی رُو سے، ہر بچے کا پیدا ہونے کے ساتھ ہی وظیفہ مقرر ہو جاتا تھا اور یوں خلافت تمام افراد کی ضروریات زندگی بہم پہنچانے کی ذمہ دار بن جاتی تھی۔ (جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے) وسائل پیداوار میں اُس زمانے میں زمین کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ زمین کے متعلق حضرت عمرؓ کا فیصلہ تھا کہ لَنَا رِقَابُ الْاَرْضِ۔ زمینیں ہماری (خلافت کی) ہیں[2]

جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ قرآن کریم کی رُو سے۔

(۱) افراد مملکت کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کا بہم پہنچانا مملکت کی ذمہ داری ہے اس مقصد کے لئے مملکت جو طریق مناسب سمجھے اختیار کر سکتی ہے۔

(۲) بجز ان لوگوں کے جو کسی وجہ سے کام کرنے سے معذور ہوں، تمام افراد کو اپنی استعداد کے مطابق کام کرنا ہوتا ہے۔

---

[1] قرآن کے قانون وراثت کی صحیح پوزیشن کیا ہے۔ یہ ایک الگ موضوع ہے جس کے متعلق طلوع اسلام میں متعدد بار لکھا جا چکا ہے اس لئے اسے یہاں دُہرانے کی ضرورت نہیں۔ [2] کتاب الاموال صفحہ ۲۹۹

(۳) ذرائع پیداوار افراد کی ملکیت میں رہنے کی بجائے مملکت کی تحویل میں رہتے ہیں۔

(۴) کوئی فرد کسی دوسرے فرد کی کمائی میں حصہ دار نہیں ہو سکتا۔

(۵) فاضلہ دولت کسی کے پاس نہیں رہ سکتی نہ ہی دولت کی تقسیم اس طرح کی جاسکتی ہے کہ وہ اوپر کے طبقے ہی میں گردش کرتی رہے۔

یہ ہے مختصراً وہ طریق جس سے قرآن ان مفاسد کا سدباب کرتا ہے جو افراط زر سے پیدا ہوتے ہیں اور جو سرزمین پاکستان میں گذشتہ گیارہ سال سے بری طرح عام ہوتے چلے آرہے تھے اور جن کی ہنگامی روک تھام عسکری نظام نے کی ہے۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہ مفاسد دوبارہ سر نہ نکالیں تو اس کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ ہم ایسا آئین مرتب اور نافذ کریں جس کی رُو سے یہاں قرآن کا تجویز کردہ معاشی نظام نافذ ہو جائے۔ ہمیں اس کا احساس ہے کہ یہ نظام راتوں رات نافذ نہیں کیا جاسکتا۔ اسے بتدریج نافذ کیا جائے گا۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ ہمارے آئین میں اس نظام کی تصریح موجود ہو اور اس کی وضاحت کی جائے کہ یہ ہماری منزل مقصود ہے جس کی طرف ہم آہستہ آہستہ حالات کے مطابق، قدم اٹھاتے چلے جائیں گے۔ جہاں تک زمینداریوں کا تعلق ہے اگر سردست یہ ناممکن ہو کہ زمین کو بالکلیہ افراد کی ملکیت سے نکال لیا جائے تو پہلا قدم یہ ہونا چاہیئے کہ ذاتی ملکیت کے رقبوں کی اس طرح تحدید کردی جائے کہ نہ کسی کے پاس ہزاروں ایکڑ زمین رہے۔ اور نہ کوئی کاشتکار زمین کے مناسب قطعہ سے یکسر محروم رہے۔ قدم اول کی حیثیت سے یہ تحدید بجائے خویش منشاء قرآن کے مطابق ہوگی جس نے کہا ہے کہ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا (۱۳/۴۱)۔ "کیا انھوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ہم زمین کے رقبوں کو (اس کے بڑے بڑے سرداروں کے ہاتھ سے کس طرح کم کئے جاتے ہیں" یہی تخفیص رقم کئے جانا (آخر الامر ساری زمین) کو افراد کی ملکیت سے نکال لینے پر منتج ہو جائے گی۔

قطع نظر اس کے کہ یہ نظام قرآن کا تجویز کردہ ہے اور جس مملکت کا مطالبہ اسلامک آئیڈیالوجی کو پورا کرنے کے لئے کیا گیا ہو اس کا نظام اس کے علاوہ کوئی اور ہونا ہی نہیں چاہیئے، آپ خالصتہً انتظامی نقطۂ نظر سے دیکھیں تو بھی یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اس معاشی سسٹم سے کتنی اُلجھنیں دور اور کتنی آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ مثلاً

(۱) جب زمین افراد کی ملکیت میں نہ رہے تو مال (Revenue) جیسے لمبے چوڑے محکمہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ نیز اراضیات کے متعلق تنازعات اور مقدمے سب ختم ہو جاتے ہیں۔

(۲) جب غلہ (کاشتکاروں کی ضروریات سے زائد سب کا سب) حکومت کی تحویل میں ہو تو احتکار (Hoarding) چور بازاری (بلیک مارکیٹنگ) اور سمگلنگ کا امکان ہی باقی نہیں رہتا۔ یہ سب مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔ حکومت اپنے گوداموں سے ضرورت کے مطابق غلہ تقسیم کرے اور اس کے مناسب دام مقرر کرے۔

(۳) کواپریٹو سسٹم کے مطابق کاشتکاری سے زمین کی پیداوار میں اس قدر اضافہ ہو سکتا ہے کہ ہم نہ صرف غلہ کے معاملہ میں خود کفیل ہو سکتے ہیں بلکہ غلہ باہر بھی بھیجا جاسکتا ہے۔

(۲) اسی طرح کارخانوں کو لیجئے۔ اگر کارخانے حکومت کی تحویل میں ہوں تو

(۱) صنعت کے متعلق جن چیزوں کے باہر سے منگانے کی ضرورت ہو وہ سب حکومت کے حساب (Account) پر

لگائی جائیں گی اور اس طرح ان تمام بدعنوانیوں کا سدباب ہو جائے گا جو امپورٹ لائسنسز، پرمٹس، زرمبادلہ۔ کسٹم کے واجبات وغیرہ کے سلسلہ میں پیدا ہوتی ہیں۔

(۱۱) تمام اشیاء ضرورت کے مطابق تیار ہوں گی

(۱۱۱) کوئی دوکاندار زائد قیمت نہیں لے سکے گا۔ کیونکہ ہر چیز کی قیمت مقرر ہو گی۔ دکاندار درحقیقت حکومت کے کمیشن ایجنٹس ہوں گے اور اس طرح ان کی صحیح آمدنی کا بھی حکومت کو علم ہو گا۔

(۳) اگر خارجی ممالک سے تجارت حکومت کے ہاتھ میں ہو تو

(۱) نہ صرف کسٹم کے محکمہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی بلکہ کسٹم کے سلسلہ میں جس قدر بدعنوانیاں ہوتی ہیں ان سے بھی نجات مل جاتی ہے۔

(۱۱) چیزوں کی قیمتیں مقررہ اور واجب رہتی ہیں اور بلیک مارکٹنگ کا امکان باقی نہیں رہتا۔

(۳) اور اگر کسی کے پاس فاضلہ دولت نہ رہے تو انکم ٹیکس وغیرہ کے طول طویل قصے سب ختم ہو جاتے ہیں۔

بالفاظ دیگر، اس نظام کی رو سے زر اور زمین سے پیدا ہونے والے تمام مفاسد کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جس سرزمین سے یہ مفاسد مٹ جائیں اس کے ارضی جنت بن جانے میں کیا کسر باقی رہ جاتی ہے۔ ان جھگڑوں میں الجھا ہوا ابن آدم، اپنی زندگی کے صحیح مقصد یعنی انسانی ذات کی نشوونما سے یکسر غافل ہو چکا ہے۔ جب وہ اس کشمکش سے فارغ ہو جائے گا تو وہ اپنی تمام تر توجہ اسی مقصد عین کے حصول پر مرکوز کر دے گا اور یوں وہ اپنے فردوس گم گشتہ کو باردگر پالے گا۔ وَ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔

اس نظام پر ایک اور اہم نکتہ کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ جب قرآن نے پہلے پہل اپنی دعوت کو دنیا کے سامنے پیش کیا تو اس وقت دنیا میں نبی اکرمؐ کے سوا کوئی مسلمان موجود نہیں تھا۔ اور چونکہ دین قبول کرنے کے لئے کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا اس لئے قرآنی نظام کے بالجبر نافذ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لیکن اس وقت پوزیشن اس سے یکسر مختلف ہے۔ یہاں (پاکستان میں) ایک قوم بستی ہے جو قرآن پر ایمان رکھتی ہے۔ ایمان رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ انہیں اقرار ہے کہ ان کی زندگی (انفرادی اور اجتماعی) قرآن کے مطابق ہونی چاہیئے۔ لیکن (بدقسمتی سے) اس نے قرآنی نظام اپنے اوپر نافذ نہیں کیا۔ اب اگر اس قوم پر قرآنی نظام نافذ کر دیا جائے تو اسے جبر نہیں کہا جا سکتا۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ

(۱) پاکستان کے شہری اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ وہ ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کریں گے جنہیں حکومت پاکستان نافذ کرے گی۔

(۱۱) پاکستان کے قانون کی رو سے سمگلنگ جرم تھا۔ لیکن حالات ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ یہ قانون یہاں مؤثر طور پر نافذ نہیں تھا۔ اس لئے لوگوں نے سمگلنگ شروع کر دیا۔ (۱۱۱) اب اس قانون کو مؤثر طور پر نافذ کر دیا گیا ہے اور سمگلنگ کرنے والوں کو اس سے روک دیا گیا ہے۔ اور جو دولت انہوں نے اس خلاف قانون طریق سے اکٹھی کی تھی اسے بحق حکومت ضبط کر لیا گیا ہے (۱۷) ظاہر ہے کہ حکومت کے اس اقدام کو جبر و استبداد نہیں کہا جا سکتا۔ یہی صورت مسلمانوں پر قرآنی نظام کے نفاذ کی ہے۔ مسلمان قرآن کے قوانین کو تسلیم کرتے ہیں لیکن اس وقت یہ قوانین عملاً نافذ نہیں۔

اب اگر ان قوانین کو عملاً نافذ کر دیا جائے اور ان کی رو سے حکومت وسائل پیداوار کو اپنی تحویل میں لے لے تو اسے جبر نہیں کہا جائے گا۔ اسی قسم کی صورت حضرت عمرؓ کے زمانے میں پیش آئی تھی۔ کچھ قطعات اراضی لوگوں کے پاس تھے۔ حکومت کو مفادِ عامہ کے لئے ان کی ضرورت پڑی تو حضرت عمرؓ نے انھیں واپس مانگ لیا اور زمینداروں نے انھیں بلا توقف دیدیا۔ اس میں کسی معاوضہ کا سوال بھی پیدا نہ ہوا۔ البتہ اس امر کا خیال رکھا گیا کہ جسے امداد کی ضرورت تھی اسے حکومت کی طرف سے مناسب مدد دی گئی۔ لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے یہ اقدامات بتدریج ہوں گے اور ہم آہستہ آہستہ اس آخری منزل تک پہنچیں گے جس میں قرآنی نظام اپنی مکمل شکل میں نفاذ پذیر ہوگا۔

اس مقام پر یہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ قرآنی نظام ایسا نہیں جو صرف رعایا[1] پر نافذ ہو اور حکومت پر نافذ نہ ہو۔ یہ ایک کُلّی نظام ہے جو حکومت اور رعایا سب پر یکساں طور پر نافذ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو حکومت خود قرآنی اصولوں کے مطابق متشکل ہو وہی قرآنی نظام نافذ کر سکتی ہے۔ قرآن نے جو کچھ عوام پر واجب قرار دیا ہے اسے وہی مملکت وصول کر سکتی ہے جو ان ذمہ داریوں کو پورا کرے جو قرآن نے مملکت پر عائد کی ہیں۔ وہ اصول کیا ہیں جن کے مطابق ایک قرآنی حکومت متشکل ہوتی ہے الگ بحث ہے۔ اس کے متعلق ہم پہلے بھی بہت لکھ چکے ہیں اور عند الضرورت پھر بھی لکھیں گے۔ اس وقت ہم صرف اس امر کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ خود حکومت بھی قرآنی معیار تک بتدریج پہنچے گی۔ لیکن اس کی صراحت بھی ہمارے آئین میں ہو جانی چاہیئے۔ کہ حکومت کی آخری شکل کیا ہوگی جس تک بتدریج پہنچا جائے گا۔ اس کے بعد ہمارا ہر قدم اسی سمت کی طرف اٹھنا چاہیئے۔ اس طرح جس نسبت سے حکومت، قرآنی آئیڈیل کے قریب ہوتی جائے گی اسی نسبت سے ملک میں قرآن کا معاشی نظام نافذ ہوتا چلا جائے گا۔ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ۔

لیکن اس حقیقت کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ قرآنی نظام اپنی حقیقی روح کے مطابق اسی صورت میں نافذ اور نتیجہ خیز ہوگا جب اس کے تقاضے دل کی گہرائیوں سے ابھریں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی آئندہ نسلوں کی تعلیم و تربیت کا ایسا انتظام کریں جس سے ہمارے نوجوانوں کا قلب و دماغ قرآن کے قالب میں ڈھل جائے تاکہ وہ قرآنی نظام کی حکمیت و صلحیت کے علی وجہ البصیرت قائل ہوں اور اس کی رو سے نہ صرف پاکستان بلکہ پوری نوعِ انسان کی مشکلات کا حل دریافت کرنے کے قابل ہو سکیں۔ اس سے ہماری سیرت میں بلندی اور کردار میں پختگی پیدا ہوگی۔ ورنہ ہماری جو حالت اس وقت ہے اس کی رو سے ہم دنیا میں سر اٹھا کر چلنے کے بھی قابل نہیں۔ گذشتہ چھ سات ہفتوں میں جو کچھ ہوا ہے اس سے ہماری نگاہیں صرف ان لوگوں تک مرکوز رہی ہیں جو مجرموں کی حیثیت سے سامنے آئے ہیں۔ اگر ہم دوسری طرف نگاہیں اٹھا کر بھی دیکھتے تو یہ شرمناک حقیقت ہمارے سامنے بے نقاب ہو کر آجاتی کہ مجرم صرف وہی نہیں جو مجرموں کی حیثیت سے گرفتار ہوئے ہیں۔ ہماری پوری کی پوری قوم (الاماشاء اللہ) "مجرمین" کی قوم ہے ہماری اخلاقی سطح بہت پست ہے۔ جرم یا اخلاقی پستی کیا ہے؟ اپنے مفاد کی خاطر دوسروں کے مفاد کی پرواہ نہ کرنا۔ یا تھوڑی سی (Temptation) کو (Resist) نہ کر سکنا۔ اس معیار کے مطابق ہم کس مقام پر کھڑے ہیں اس کے لئے آپ ان سے نہ پوچھیئے کہ ہم میں سے جو گرفتار نہیں ہوئے گذشتہ گیارہ برس میں ان کے کردار کی بھی کیا حالت رہی ہے۔ آپ ذرا اس منظر کو سامنے لایئے کہ جب مارشل لاء نافذ ہونے کے دوسرے تیسرے دن یہ اعلان ہوا کہ بازار میں چیزیں (بالخصوص کپڑا) سستی قیمت پر بکیں گی تو پوری قوم نے کس طرح دکانوں پر دھاوا بول دیا اور جسے موقع میسر آیا اس نے زیادہ سے زیادہ چیزیں خرید لیں اور اس بات کا قطعاً خیال نہ کیا کہ ان میں دوسرے ضرورت مندوں کا بھی حصہ ہونا چاہیئے۔ یہ کیا ہے؟ اس پستیٔ اخلاق کا مظاہرہ کہ ہم اپنے مفاد کے مقابلہ میں دوسروں کے مفاد کا کوئی خیال نہیں رکھتے اور ذرا سی (Temptation) کو (Resist) نہیں کر سکتے۔ سوال صرف مواقع (Opportunities) میسر آجانے کا ہے۔ اسی قسم کے ہنگامی مفاسد کی روک تھام تو ہنگامی احکام و تدابیر سے ہو سکتی ہے۔ ان کا مستقل علاج صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ان کی آنے والی نسل کی تعلیم و تربیت صحیح خطوط پر ہو۔ لہٰذا ہمارے جدید آئین میں اس امر کی بھی صراحت ہونی چاہیئے کہ قوم کے بچوں کی تعلیم و تربیت کی پوری ذمہ داری مملکت پر ہوگی اور اس کے بنیادی خطوط وہی ہوں گے جنھیں قرآن نے تجویز کیا ہے۔ طلوعِ اسلام کی طرف سے ان تمام گوشوں کے متعلق ضروری معلومات عند الضرورت ملت کی خدمت میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ اس کی زندگی کا مقصد ہی یہ ہے۔ وبذالك امرت وانا اول المسلمين۔

---

[1] ہم نے "حکومت" اور "رعایا" کے الفاظ محض سمجھانے کی خاطر استعمال کئے ہیں۔

جہنّم

سخن زنامہ و میزاں دراز تر گفتی
ہزار حیف نہ بینی قیامت موجود

دولت۔ قوت۔ اقتدار اور حکومت کا نشہ انسان کو بُری طرح بدمست کر دیتا ہے۔ وہ پھر نہ قانون اور قاعدے کی پرواہ کرتا ہے۔ نہ کسی اخلاقی ضابطہ یا انسانی قدر کا احترام۔ قانون اور قاعدے کو منوانے والی مشینری اس کی مٹھی میں ہوتی ہے اور اس کے سوا وہ کسی قوت کو تسلیم ہی نہیں کرتا جو اس کی بے راہ روی پر گرفت کر سکے۔ ان لوگوں کو اس کا خیال تک بھی نہیں آتا کہ ان سے کوئی باز پرس کرنے والا ہے اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا (۷۸/۲۷) حالانکہ خدا کا قانونِ مکافات ان کی گھات میں ہوتا ہے۔ (اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۷۸/۲۱) وہ نہایت اطمینان سے اپنی سرکشی اور جرائم پیشگی میں آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں تاآنکہ ان کے اعمال کے نتائج کے ظہور کا وقت آجاتا ہے اور مکافاتِ عمل کی محکم گرفت (بطشِ شدید) انھیں اس طرح اچانک دبوچ لیتی ہے کہ ان کے ذہن میں ہی نہیں آتا کہ ہوا کیا فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (۲۶/۲۰۲) یہ عذاب ایسے مقام سے آتا ہے جو ان کے سان گمان میں بھی نہیں ہوتا وَ اَتٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ (۱۶/۲۶) وہ اسے دیکھ کر بھاگنا چاہتے ہیں (فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ۔ ۲۱/۱۲) لیکن انھیں آواز دی جاتی ہے کہ لَا تَرْكُضُوْا۔ مت بھاگو۔ تم بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے۔ وَ ارْجِعُوْا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَ مَسٰكِنِكُمْ۔ تم پلٹ کر وہیں چلو جہاں تم نے ہر جائز و ناجائز طریقے سے دولت سمیٹ کر اپنے عیش و عشرت کا سامان اکٹھا کیا تھا۔ چلو انہی محلات میں جن کی تزئین و آرائش غریبوں کے خونِ جگر کی رنگینی سے کی گئی تھی۔ لَعَلَّكُمْ تُسْــَٔلُوْنَ (۲۱/۱۲-۱۳) چلو وہاں تاکہ تم سے پوچھا جائے کہ یہ مال و دولت کہاں سے آیا تھا؟ تم سمجھتے تھے کہ تمھیں تمھاری ظلم کوشیوں اور عیش سامانیوں کے متعلق کوئی پوچھنے والا ہی نہیں۔ آج تم سے ان سب کے متعلق پوچھا جائے گا۔ (ثُمَّ لَتُسْــَٔلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۱۰۲/۸) تم دولت کے انبار در انبار اکٹھے کرتے چلے جاتے تھے (اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ۔ ۵۶/۴۵) اور اپنی سرکشی اور جرائم پیشگی پر مُصر تھے (وَ كَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ۵۶/۴۶)

بجائے اس کے کہ تمھیں ارتکاب جرائم پر شرم آئے تم اپنی کامیابیوں اور کامرانیوں پر خوشیاں مناتے تھے اور اپنے غنڈے پن پر فخر کرتے تھے۔ (ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ۔ ۴۰/۷۵) تمھارے سپرد ملک کا انتظام اس لئے کیا گیا تھا کہ تم غریبوں اور محتاجوں کی روزی کا بندوبست کرو۔ لیکن تمھیں یہ اپنا فریضہ کبھی بھولے سے بھی یاد نہ آیا غریب اور نادار فاقوں مر رہے تھے لیکن تمھیں ان کا کبھی خیال تک نہ آتا تھا (وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۷۴/۴۴) تم انھیں محض اپنی تقریروں سے خوش کر دیا کرتے تھے۔ تم بیانات دینے اور منصوبے (Plans) بنانے میں بڑے ماہر تھے (تم سمجھتے تھے کہ محض باتیں بنانے سے ملک کے حالات سدھر جائیں گے۔ (وَ كُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ۔ ۷۴/۴۵)۔ تم عوام کی فلاح و بہبود کے لئے ایک تنکا بھی نہیں توڑا کرتے تھے لیکن چاہتے یہ تھے کہ لوگ تمھاری تعریف و توصیف کے سپاسنامے تمھاری خدمت میں پیش کریں اور زندہ باد کے نعروں سے آسمان کو تھرتھرا دیں (وَ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا ۳/۱۸۷) تم ملک کا انتظام کرنے کی بجائے اپنی دولت سمیٹنے کی فکر میں غلطاں و پیچاں رہتے تھے اور جو کچھ ہاتھ لگتا اسے تجوریوں میں جمع کر کے اُس پر تالے نہیں مُہریں لگا دیا کرتے تھے (وَ جَمَعَ فَاَوْعٰى ۷۰/۱۸) ہوسِ اقتدار اور خواہشِ زراندوزی میں تم ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانا چاہتے تھے اور اس میدانِ مسابقت، اس (Race Course) کا کوئی آخری کنارہ ہی نہ تھا جہاں پہنچ کر تم رک جاتے (اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۱۰۲/۱) تم اس نشہ میں اس قدر بدمست ہو رہے تھے کہ تمھیں اس کا احساس تک نہیں ہوتا تھا کہ جو کچھ تم اس طرح جمع کرتے چلے جاتے ہو وہ مال و دولت نہیں، جہنم کی آگ ہے جس سے تم اپنے پیٹ بھر رہے ہو۔ (اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ ۲/۱۷۴)۔ اگر تمھاری آنکھوں پر سے تھوڑی سی چربی بھی ڈھل جاتی تو تم جہنم کی آگ کا فوراً مشاہدہ کر لیتے۔ (لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۱۰۲/۶-۷) اس لئے کہ یہ جہنم کہیں دور نہ تھی۔ تمھیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھی۔ (وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ۹/۴۹) تم ایک ثانیہ کے لئے بھی اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتے تھے (وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ۸۲/۱۶) تم دولت سمیٹ سمیٹ کر اپنے (Bank Balances) کا حساب کیا کرتے تھے (جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ۱۰۴/۲) اور مطمئن تھے کہ یہ دولت تم پر کوئی آنچ نہیں آنے دے گی۔ (يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۱۰۴/۳) اب دیکھو کہ یہی نوٹوں کے بنڈل کس طرح وہ آگ بھڑکاتے ہیں جس کے شعلے تمھارے دلوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے (نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ ۱۰۴/۶-۷)۔ اب اس آگ میں اُن روپوں کو تپایا جائے گا جو تمھاری تحویل میں اس لئے دیئے گئے تھے کہ تم انھیں فلاحِ عامہ کے لئے صرف کرو۔ لیکن تم نے انھیں اپنے باوا کی میراث سمجھ کر اپنے خزانے بھر لئے۔ انھیں تپایا جائے گا اور ان سے تمھیں داغ دیا جائے گا۔ (يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۹/۳۵) یہ اس لئے کہ اس کلنک کے ٹیکے سے تم دور سے پہچانے جاؤ کہ تم جرائم پیشہ ہو اور کسی شریف معاشرے میں رہنے کے قابل نہیں ہو۔ تم نے

الْمُجْرِمُونَ بِسِيمٰهُمْ ۵۵/۴۱) تم کام تو کرتے تھے غنڈوں اور بدمعاشوں والا لیکن معاشرے میں بڑے شریف اور معزز بنے رہتے تھے۔ اب تمہارا حقیقی چہرہ، جس پر ذلت اور رسوائیوں کی سیاہی چھا رہی ہے، بے نقاب ہو جائے گا۔ وَ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ..... كَاَنَّمَاۤ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۱۰/۲۷) اور تمہیں اس سے کہیں پناہ نہیں مل سکے گی (وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۱۰/۲۷)

تم اگر چاہو کہ دنیا بھر کی دولت دے کر بھی اپنے کئے کی سزا سے بچ جاؤ تو ایسا نہیں ہو سکے گا۔ نہ ہی تمہاری جگہ تمہارا کوئی عزیز رشتہ دار تمہاری سزا بھگت سکے گا۔ جس نے کیا ہے، اُس کو بھگتنا پڑے گا۔ (يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ بِبَنِيْهِ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ اَخِيْهِ وَ فَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ۔ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔ ثُمَّ يُنْجِيْهِ۔ كَلَّا... ۷۰/۱۱-۱۵) نہ ہی اب کسی کی سفارش چل سکے گی (فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ۷۴/۴۸) تمہارا یہ خیال بھی خام ہے کہ تمہارا کوئی عزیز، رشتہ دار، یا دوست تمہاری جگہ پھانسی کا رسّہ اپنے گلے میں ڈال کر تمہیں چھڑا لے گا۔ اس بکھیڑا دھکڑی میں کوئی دوست دوسرے دوست کو نہیں پہچانے گا (وَ لَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا۔ ۷۰/۱۰)

تم یہ بھی نہ سمجھو کہ جو کچھ تم نے کیا ہے اس کا کہیں ثبوت نہیں ملے گا۔ تمہارا اعمال نامہ ہمارے پاس ہے لو! اسے خود پڑھ لو۔ (اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۔ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۱۷/۱۴) اگر گواہیوں کی ضرورت ہو تو تمہارے ہاتھ پاؤں تمہارے خلاف گواہی دیں گے (اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۳۶/۶۵)۔ تم سمجھتے ہو کہ جو مکل کیا ہوا سونا تم نے چھپا کر رکھا ہوا ہے وہ کسی کو نہیں مل سکتا۔ ہمارے پاس اس کا بھی علاج ہے۔ تم اگر اپنے جرم سے انکار کرتے ہو تو تمہیں ایسے کپڑے پہنائے جائیں گے جس سے تمہارا جسم جھلس جائے۔ ہنٹر مار مار کر تمہاری کھال ادھیڑ دی جائے گی۔ تمہارے سر پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا جس سے تمہارا چھپایا ہوا سونا پگھل کر باہر آجائے گا۔ تم سمجھے کیا ہو؟ (فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ۔ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ۔ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَ الْجُلُوْدُ۔ وَ لَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۲۲/۱۹-۲۱) جب تمہیں اُلٹا لٹکایا جائے گا تو سب نگلا ہوا اُگل دو گے (يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۳۳/۶۶)

حکم دیا جائے گا کہ اسے گرفتار کر لو کہیں بھاگ نہ جائے۔ اس کے گلے میں طوق، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈالو اور اسے جہنم میں پہنچا دو۔ (خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ۔ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ۔ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ۔ ۶۹/۳۰-۳۲) یعنی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بند کر دو (وَ اِذَاۤ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ...... ۲۵/۱۳) خود نہیں جاتا تو اسے گھسیٹ کر لے جاؤ (خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ۔ ۴۴/۴۷) جس طرح جانوروں کو ہانکا کرتے جاتے ہیں (وَ نَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ

وَنِیْ ذَا (۷۴/۱۹) یہ خطرناک قسم کا مجرم ہے، اس لئے اس پر ایسے داروغے مقرر کرو جو مضبوط اور سخت قسم کے واقع ہوں۔ (عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ۔ ۶۶/۶) ایسے کہ جو کچھ ان سے کہا جائے اس کے مطابق فوراً عمل کریں۔ اور اس میں ذرا بھی کوتاہی یا سرتابی نہ کریں (لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۔ ۶۶/۶)

جہنم میں اس قدر چیخ و پکار ہوگی کہ کوئی کسی دوسرے کی بات نہیں سن سکے گا (لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ هُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ۲۱/۱۰۰) جہنم تو سب کے لئے ایک ہی ہوگا لیکن جرائم کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف مجرموں کے لئے داخلے کے دروازے مختلف ہوں گے (وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ۔ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ۱۵/۴۴) سنگین مجرموں کو اس میں بھی بیڑیوں میں جکڑ کر رکھا جائے گا (اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا ۷۳/۱۲) کھانے کے لئے وہاں وہ کچھ ملے گا جو حلق میں اٹک کر رہ جائے۔ نہ اگلا جائے نہ نگلا جائے۔ (وَ طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ ۷۳/۱۳ نیز ۱۴/۱۶) ایسا کہ جس سے نہ شکم سیری ہو۔ نہ ہی وہ جزو بدن بن سکے۔ (لَا يُسْمِنُ وَ لَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۸۸/۷) بڑے بڑے "معززین" حرام کی کمائی سے ناز و نعمت میں پلے تھے۔ اس کھانے کو دیکھ کر تلملا اٹھیں گے۔ ان سے کہا جائے گا کہ تم مجرم ہو کر سوسائٹی میں بڑے شریف اور معزز بنتے تھے۔ اب تمہیں یہ ذلت کی روٹی کھانی ہوگی (ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ۔ ۴۴/۴۹-۵۰)

وہ عذاب اور یہ روٹی چند دنوں میں ان کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دے گی (لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۷۴/۲۹) وہ ساری چربی پگھلا کر رکھ دیگی۔ جو مفت کی کھا کھا کر چڑھائی گئی تھی (لَا تُبْقِيْ وَ لَا تَذَرُ ۷۴/۲۸) غرضیکہ حالت وہاں یہ ہوگی کہ ان کا شمار نہ مُردوں میں ہوگا نہ زندوں میں (لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَ لَا يَحْيٰى ۲۰/۷۴) یوں تو انہیں ہر طرف سے موت آتی دکھائی دے گی لیکن اس سے ان کی جان نہیں نکلے گی۔ (وَ يَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ مَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۱۴/۱۷ نیز ۳۵/۳۶) وہ ناک سے لکیریں نکالیں گے کہ اگر ہمیں اس عذاب سے کسی طرح چھٹکارا مل جائے تو اس کے بعد ہم کبھی وہ کچھ نہیں کریں گے جس کی پاداش میں ہمیں یہ سزا ملی ہے۔ لیکن ان کی یہ معذرت قبول نہیں کی جائے گی۔ (رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۳۵/۳۷)۔ جہنم سے چھٹکارا ملنا تو ایک طرف، اس کے عذاب میں تخفیف تک نہیں کی جائے گی۔ (وَ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۳۵/۳۶)۔ ان سے کہہ دیا جائے گا کہ جنہوں نے غریبوں پر اس قدر ظلم ڈھائے ہوں، ان کا کوئی حامی و ناصر نہیں ہو سکتا۔ (فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۳۵/۳۷)

اکیلے اکیلے مجرموں کے بعد پھر جتھوں۔ گروہوں اور پارٹیوں کی باری آئے گی۔ یہ گروہ اور پارٹیاں، ان تمام جرائم میں ایک دوسرے کی ہمراز اور دمساز تھیں۔ لیکن اب ان کی یہ کیفیت ہوگی کہ جب کوئی ایک پارٹی جہنم میں داخل ہوگی وہ دوسری پارٹی پر لعنت بھیجے گی (كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۷/۳۸)

وہاں سب پارٹیاں اکٹھی ہو جائیں گی۔ ان میں ان کے سرغنے (Ring leaders) بھی ہوں گے اور لیڈروں کے پیچھے چلنے والے، ان کے ایجنٹ۔ گماشتے اور کارندے بھی۔ یہ پیچھے چلنے والے کہیں گے کہ ہمیں ان لیڈروں نے دھوکا دیا۔ اے

انھیں دُہری سزا ملنی چاہیئے۔ (وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا ۔ رَبَّنَا
آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا ۳۳/۶۷-۶۸) یہ لیڈر اپنے متبعین سے کہیں گے کہ کیوں باتیں
بناتے ہو؟ کیا تمھیں معلوم نہیں تھا کہ قانون کا تقاضا کیا ہے اور اس کی خلاف ورزی کے نتائج کیا ہوا کرتے ہیں؟ اگر تمھارے دل
میں قانون شکنی اور مفاد پرستی کا جذبہ نہ ہوتا تو ہم تمھیں ان جرائم پر کیسے آمادہ کرسکتے تھے؟ اس لئے اس میں ہمارا کیا قصور۔ تم خود
مجرم تھے اور مجرم ہو۔ (قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا أَنَحْنُ صَدَدْنَاكُمْ عَنِ الْهُدَىٰ
بَعْدَ إِذْ جَاءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُجْرِمِينَ ۳۴/۳۲) ان کے متبعین ان سے کہیں گے کہ یہ ٹھیک ہے کہ ہم ارتکاب جرم
میں تمھارے ساتھ برابر کے شریک تھے۔ بلکہ بالفاظ صحیح تمھارے آلۂ کار تھے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تم جس قسم کے مکروفریب کے
جال دن رات بُنتے رہتے تھے جس قسم کی تدبیریں صبح شام سوچتے رہتے تھے جس قسم کی سازشوں میں مصروف تگ و
تاز رہتے تھے۔ ہم جیسوں کے بس کی بات تھی کہ ان میں پھنس نہ جاتے یا تمھاری سازشوں میں شریک ہونے سے انکار
کردیتے؟ ہماری کیا مجال تھی کہ تم کسی بات کا حکم دیتے اور ہم اس سے انکار کردیتے؟ وَقَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا
لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَنْ نَكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُ
أَنْدَادًا ۳۴/۳۳) غرضیکہ ان میں بڑے جھگڑے ہوں گے۔ آخر الامر ان لیڈروں کے متبعین ان سے کہیں گے کہ چھوڑو ادب
باتوں کو۔ اب کچھ ایسی تدبیر کرو جس سے اس سزا میں کچھ کمی ہوجائے ورنہ ہم تو یونہی ختم ہو جائیں گے (فَيَقُولُ الضُّعَفَاءُ لِلَّذِينَ
اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنْتُمْ مُغْنُونَ عَنَّا نَصِيبًا مِنَ النَّارِ ۴۰/۴۷) وہ لیڈر کہیں گے
کہ ہم خود تمھارے ساتھ پھنسے ہوئے ہیں۔ اس لئے ہم تمھارے لئے کیا کرسکتے ہیں۔ یہاں لیڈر اور رعایا میں کوئی فرق نہیں۔ اب کوئی
کسی کے لئے کچھ نہیں کرسکتا۔ (قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُلٌّ فِيهَا.... ۴۰/۴۸) اب چیخنے چلانے سے
کچھ حاصل نہیں۔ اب تو اس عذاب کو جھیلنا ہی پڑے گا۔ اب گریز کی کوئی راہ نہیں۔ (سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجَزِعْنَا أَمْ صَبَرْنَا
مَا لَنَا مِنْ مَحِيصٍ ۱۴/۲۱) اس وقت تمھارے مقابلہ میں ہماری پوزیشن اس لئے بڑی تھی کہ ہمارے پاس دولت زیادہ تھی اور
حکومت ہمارے ہاتھ میں تھی۔ لیکن تمھیں معلوم ہے کہ نہ تو ہمارا مال و دولت کسی کام آسکا ہے اور نہ ہی ہمارا وہ غلبہ اور اقتدار
باقی رہا ہے (مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهْ ۞ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ ۶۹/۲۸-۲۹) جب انقلاب میں اونچے اونچے محلوں
والے سر کے بل نیچے گرتے ہیں تو ان کا جمع کردہ مال ان کے کسی کام نہیں آیا کرتا (مَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّىٰ ۹۲/۱۱)

یہ حالت ہوگی تو ان کی جو گرفتار ہونے کے بعد اپنے کئے کی سزا بھگت رہے ہوں گے۔ جن کی باری ابھی آنے والی ہوگی
وہ انھیں دیکھ دیکھ کر کانپ رہے ہوں گے۔ وہ ہزار چاہیں گے کہ کہیں بھاگ کر چلے جائیں لیکن اس سے بچ کر جانے کی کوئی جگہ
نہیں ہوگی۔ (وَرَاَ الْمُجْرِمُونَ النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُمْ مُوَاقِعُوهَا وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفًا ۱۸/۵۳)

ان سے کہا جائے گا کہ تمھیں چند دنوں کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس مدت کے اندر اندر اپنے جرائم کا اقبال کر لو اور اس طرح خود ہی الگ نکل کر کھڑے ہو جاؤ (وَ امْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۳۶/۵۹) اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر ایک ہانکنے والے اور ایک نگرانی کرنے والے کے "جلو" میں تم بھی وہیں پہنچا دیئے جاؤ گے جہاں دوسرے مجرم پہنچ چکے ہیں۔ (وَ جَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّ شَهِيْدٌ ۵۰/۲۱) یاد رکھو۔ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ ہو کر رہے گا۔ اب وہ پہلا وقت نہیں کہ قانون کی پکار ایک خالی دھمکی بن کر رہ جایا کرتی تھی۔ اب یہ تنبیہہ (warning) حقیقت ثابتہ بن کر سامنے آجائے گی۔ لیکن یہ کچھ دھاندلی سے نہیں ہوگا۔ عین حق و انصاف کے مطابق ہوگا۔ (مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَ مَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۵۰/۲۹) تمھیں تمھارے کیے کی سزا ملے گی (اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۵۲/۱۶)

باقی رہے شریف آدمی سو ان کے لئے ڈرنے اور گھبرانے کی کوئی بات نہیں (لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۲/۲۶۲)

ہماری ــــ آنے والی ــــ کتابیں

۱۔ الفتنة الكبرى مصر کے ڈاکٹر طٰہٰ حسین اسلامی اور علمی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ یہ کتاب انہی کی مایۂ ناز تصنیف ہے جس میں ان تمام کوائف و حوادث پر محققانہ انداز میں بحث کی گئی ہے جو حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں رونما ہوئے۔ ایسے اہم اور نازک مباحث پر اس انداز سے گفتگو کرنا، طٰہٰ حسین ہی کا کام تھا ـــ اس کتاب کا اردو ترجمہ ادارہ کی طرف سے شائع ہو رہا ہے۔

۲۔ فجر الاسلام علامہ احمد امین مصری (مرحوم) نے اسلامی تاریخ کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا جس کی پہلی کڑی فجر الاسلام ـــ دوسری ضحی الاسلام ـــ اور تیسری ظہر الاسلام ہے۔ جہاں تک ہماری نگاہ ہماری یاوری کرتی ہے، اسلام کی تاریخ پر اس سے بہتر کتاب شاید ہی کوئی اور ہو ـــ اس عظیم سلسلہ کا اردو ترجمہ بھی ادارہ کی طرف سے شائع کیا جا رہا ہے

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ لاہور

محترم پرویز صاحب کی طرف سے صدر زرعی اصلاحات کمیشن ۔ لاہور کے نام کھلی چٹھی

محترم۔ آپ کے سپرد یہ اہم فریضہ کیا گیا ہے کہ آپ زرعی اراضی کی ملکیت اور کاشتکارانہ حقوق سے متعلق مسائل پر غور و خوض کریں اور ان تدابیر و اقدامات کی سفارش کریں جن کی رُو سے زمین سے بہترین پیداوار حاصل کی جا سکے۔ کاشتکاروں کو اس امر کی ضمانت مل سکے کہ وہ اپنے مزروعہ رقبہ سے یونہی بیدخل نہیں کر دیئے جائیں گے اور ملک میں عدل عمران کی فضا پیدا ہو سکے۔

۲۔ یہ فریضہ جو آپ کے سپرد کیا گیا ہے ان عظیم اصلاحات کا ایک جزو ہے جنہیں نافذ کرنے کا فیصلہ حکومت پاکستان نے کیا ہے یہ فریضہ بڑا واجب الاحترام ہے اور مجھے یقین ہے کہ اگر اسے حسن تدبر سے سرانجام دیا گیا تو اس سے آپ نہ صرف مملکت پاکستان کی موجودہ اور آیندہ نسلوں کے نزدیک مستحق تبریک و تحسین قرار پائیں گے بلکہ دنیا بھر کے مسلمان آپ کو عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔ امید ہے کہ آپ اس اہم فریضہ کی سرانجام دہی میں صدر مملکت پاکستان ــــ جنرل محمد ایوب خان ــــ کے اس پیغام کو پیش نظر رکھیں گے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ

> ہمیں امید ہے کہ وہ نصب العین جو پاکستان کی تخلیق کے لئے جذبہ محرکہ بنا تھا۔ اسے اہل پاکستان کے لئے ایک زندہ حقیقت بنا دیا جائے گا۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، وہ نصب العین جو تشکیل پاکستان کے لئے جذبہ محرکہ بنا تھا، یہی تھا کہ ہمیں ایک ایسا خطۂ زمین درکار ہے جس میں ہم اپنی حیات اجتماعیہ کو اپنے داعیات و مقتضیات کے قالب میں ڈھال سکیں۔

۳۔ میں عمر بھر قرآن کا طالب علم رہا ہوں ــــ وہ قرآن جو اسلام کا سرچشمہ اور ان تمام تصورات کا ماخذ ہے جن سے اسلامی زندگی مترتب ہوتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ کسی قوم کے تصورات حیات کی نمود اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر گوشے میں ہونی چاہیئے اور اس کی سیاست معیشت اور تہذیب و تمدن کے ہر پہلو میں ان کی جھلک نظر آنی چاہیئے۔ چونکہ زمین کا مسئلہ جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے، انسانی

زندگی کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس لئے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اس باب میں میری قرآنی بصیرت نے مجھے جس نتیجہ تک پہنچایا ہے اسے آپ کے گوش گذار کر دوں۔

۴۔ ہوا اور روشنی کی طرح، زمین بھی قدرت کا عطیہ ہے اور قرآن کی رُو سے، ہر انسان کو اس کا حق حاصل ہے کہ وہ اس عطیۂ فطرت کے ثمرات سے اپنی ضرورت کے مطابق بلا روک ٹوک بہرہ یاب ہو۔ جس طرح ہوا اور روشنی جیسی چیزیں کسی کی ذاتی ملکیت قرار نہیں پا سکتیں ہر انسان کو اس سے متمتع ہونے کا حق پہنچتا ہے۔ اسی طرح، قرآن کی رُو سے، زمین پر انفرادی ملکیت کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ زمین ذریعۂ پیداوار ہے اور بنیادی سوال یہ ہے کہ اس سے زیادہ سے زیادہ پیداوار کس طرح حاصل کی جائے۔ تعلقاتِ اراضی پر انفرادی ملکیت کا نہ صرف یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس سے اربابِ نظم و نسق کو بڑی پیچیدہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ طریقہ (یعنی زمین پر انفرادی ملکیت) درحقیقت، مفاد پرست گروہ کا وضع کردہ ہے جس نے اسے اپنے تدبر کی فسوں سازیوں سے قرنہا قرن سے مسلط رکھا ہے اور جس سے کاشتکار بے پناہ مظالم کا تختۂ مشق بنتا چلا آ رہا ہے۔ اس کے برعکس، جو طریق وحیٔ خداوندی نے تجویز کیا ہے، اس میں عدمِ مساوات ختم ہو جاتی ہے اور تمام تر توجہ پیداوار کے بڑھانے اور اسے افراد کی ضروریات کے مطابق تقسیم کرنے پر مرکوز ہو جاتی ہے۔

۵۔ قرآنی نظام کے بنیادی خط و خال حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) مملکت کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام افرادِ معاشرہ کو ان کی بنیادی ضروریاتِ زندگی — خوراک — لباس — مکان — ادویات تعلیم وغیرہ — بہم پہنچائے۔ "ذمہ داری" کا لفظ قابلِ غور ہے۔ یعنی اس نظام میں اتنا کہہ دینے پر اکتفا نہیں کر لیا جاتا کہ مملکت اس امر کی کوشش کرے گی کہ وہ افرادِ مملکت کی بنیادی ضروریاتِ زندگی بہم پہنچائے۔ اس نظام میں مملکت کو افراد کی ضروریات بہم پہنچانے کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے۔

(۲) مملکت اپنی اس عظیم ذمہ داری سے اسی صورت میں عہدہ برا ہو سکتی ہے کہ وسائل و ذرائع پیداوار مملکت کی تحویل میں رہیں۔ اس لئے قرآنی نظام کی رو سے، ان ذرائع و وسائل پر پورا پورا کنٹرول مملکت کا رہتا ہے۔

(۳) افرادِ مملکت کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کا بہم پہنچانا، مقصود بالذات نہیں بلکہ انسانی زندگی کے مقصدِ بلند کے حصول کا ذریعہ ہے۔ یہ مقصد ہے انسانی ذات کی نشوونما جس سے وہ اس قابل ہو جاتی ہے کہ انسان کی طبعی موت کے بعد، مزید ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی اپنی مضمر صلاحیتوں کو مشہود کرتی چلی جائے۔

(۴) شق ۳ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ (منجملہ دیگر امور) قرآنی نظامِ معیشت، کمیونزم کے نظام سے کس قدر آگے جاتا ہے۔ کمیونزم کا مطلوب و مقصود صرف انسان کی طبعی زندگی کی پرورش کا سامان بہم پہنچانا ہے۔ وہ افراد کو روٹی دیتی ہے لیکن ان کی ذات کو کچل کر رکھ دیتی ہے۔ اس کے برعکس قرآنی نظام، افراد کی ضروریاتِ زندگی کی بہم رسانی اس لئے اپنے ذمے لیتا ہے تاکہ افراد، فکرِ معاش سے آزاد ہو کر اپنی تمام تر توجہ معاشرہ کے اندر اپنی ذات کے استحکام اور نشوونما و ارتقاء پر مرکوز کر سکیں۔

۵۔ میں نے اپنی کتاب "نظام ربوبیت" میں اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی ہے کہ قرآنی نظام کیا ہے اور یہ کس طرح اشتراکی نظام سے مختلف ہے۔ اس مسئلہ کو میں نے اُس مقالہ کا بھی موضوع بنایا تھا جسے میں نے جنوری گزشتہ میں بین الاقوامی اسلامی مذاکرات میں پڑھا تھا۔ (یہ مقالہ الگ چھپ چکا ہے)

۶۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ اپنی سفارشات میں حسب ذیل نقاط کو ضرور پیش نظر رکھیں۔

(ا) ان اصلاحات کا رُخ اُس منزل کی طرف ہونا چاہیئے جو حصولِ پاکستان کے لئے نصب العین قرار پائی تھی۔ یعنی اسلامی انداز زیست۔

(ب) قرآنی نظام کی رُو سے زمین پر ذاتی ملکیت جائز نہیں۔

(ج) قرآنی نظام میں زمین مملکت کی تحویل میں رہتی ہے تاکہ وہ افراد مملکت کی ضروریات زندگی بہم پہنچانے کی اہم ذمہ داری سے عہدہ برا ہو سکے۔

(د) ضروریاتِ زندگی کی بہم رسانی، انسانی ذات کی نشوونما کا ذریعہ ہے۔ مقصود بالذات نہیں۔

(س) قرآنی نظام معیشت، کمیونزم کے نظام سے بہت آگے جاتا ہے۔ اور جب ان دونوں نظاموں کا مطالعہ اُس فلسفہ کی روشنی میں کیا جائے جس کی بنیادوں پر ان کی عمارت استوار ہوتی ہے تو صاف نظر آجاتا ہے کہ یہ نظام نہ صرف ایک دوسرے سے مختلف ہیں بلکہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

[محترم پرویز صاحب نے یہ خط (جس کی اصل اسی پرچہ کے ٹائیٹل صفحہ ۳ پر شائع ہو رہی ہے) ۱۲ نومبر ۱۹۵۸ء کو محترم صدر زرعی اصلاحات کمیشن کو بھیجا تھا۔ چونکہ یہ کھلی چٹھی تھی اس لئے اسے اخبارات میں اشاعت کے لئے بھی بھیج دیا گیا تھا۔ طلوع اسلام]

پرانا آئین ختم ہو چکا

اب پاکستان کا جدید آئین مرتب ہوگا۔ سابقہ آئین میں کیا کیا نقائص تھے۔ ایک اسلامی مملکت کا آئین کس قسم کا ہونا چاہیئے۔ ان امور کے متعلق آپ تفصیلی معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو حسب ذیل کتابیں مطالعہ فرمایئے۔

قرآنی دستور پاکستان	۲ — ۸ — ۰
اسلامی نظام	۲ — ۰ — ۰
اسلام میں قانون سازی کا اصول	۲ — ۸ — ۰

ملنے کا پتہ:۔ ناظم ادارہ طلوع اسلام ۲۵۔ بی گلبرگ لاہور

دستورِ پاکستان

۱۹۷۳ء کے دستورِ پاکستان کے کالعدم قرار دیئے جانے کے بعد، ہمارے پاس متعدد استفسارات یہ دریافت کرنے کے لئے آئے ہیں کہ پاکستان کا جدید آئین کس انداز و نوعیت کا ہونا چاہیئے۔ آئین (کانسٹی ٹیوشن) کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک حصہ اس مقصد کی وضاحت پر مشتمل ہوتا ہے جس کے لئے وہ مملکت وجود میں آتی ہے اور جس کا حصول اس کا فریضۂ زندگی قرار پاتا ہے۔ یہی حصہ درحقیقت اس آئین کی اساس و بنیاد اور اس مملکت کی روح رواں ہوتا ہے۔ دوسرے حصے کا تعلق اس مشینری سے ہوتا ہے جس کے مطابق مملکت کا نظم و نسق چلتا ہے۔ یہ حصہ درحقیقت پہلے حصہ کے بروئے کار لانے کا ذریعہ ہوتا ہے۔

جب ۱۹۵۰ء میں دستورِ پاکستان کی ترتیب و تدوین کا سوال سامنے آیا تو طلوعِ اسلام نے آئین کے دونوں حصوں کے متعلق شرح و بسط سے لکھا تھا۔ اس کے بعد اس نے ایک ایسا مسودہ مرتب کر کے حکومت کے پاس بھیجا تھا جو اس کے نزدیک اس قابل تھا کہ ایک اسلامی مملکت کا آئین بن سکے۔ (یہ تمام تفاصیل، ادارہ کی طرف سے شائع کردہ کتب ـــ قرآنی دستورِ پاکستان اور اسلامی نظام ـــ میں جمع کر دی گئی تھیں)۔ جو استفسارات ہمیں اس وقت موصول ہو رہے ہیں، ان کے جواب میں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ مذکورہ بالا مسودہ کا وہ حصہ دوبارہ شائع کر دیا جائے جو قرار دادِ مقاصد (Objective Resolution) اور اصولی ہدایات (Directive Principles) پر مشتمل تھا۔ اس سے اندازہ لگ سکے گا کہ طلوعِ اسلام کی قرآنی بصیرت کے مطابق ایک اسلامی مملکت کے پیشِ نظر مقصد کیا ہونا چاہیئے اور اس کی راہ نمائی کے لئے اصولی ہدایات کیا۔ باقی رہا آئین کا دوسرا حصہ (جس کا تعلق نظم و نسقِ مملکت سے ہوتا ہے) تو اس کی بابت ہم اس وقت لکھیں گے جب پاکستان کے لئے نئے آئین کی تدوین کا سوال سامنے آئے گا۔

(مسودہ قرار دادِ مقاصد ۱۹۵۱ء)

ہرگاہ کہ

مسلمانوں کی وجہِ جامعیت اسلام ہے اور یہی وہ تصورِ حیات ہے جس کی بنا پر پاکستان کا قیام عمل میں آیا ہے تاکہ اس مملکت کے

باشندے، اس مخصوص تصورِ حیات کے مطابق جس میں اختیارِ حکمرانی کو ایک مقدس امانت قرار دیا گیا ہے۔ حدود اللہ کے اندر آزادانہ زندگی بسر کر سکیں۔

ہرگاہ کہ

اسلام ایک مکمل نظامِ زندگی ہے جسے الدین کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس نظامِ زندگی کا بنیادی ضابطہ قرآن ہے۔

ہرگاہ کہ

قرآن نے انسانی زندگی کے لئے ایک نصب العین مقرر کر دیا ہے اور وہ حدود متعین کر دی ہیں جن کے اندر رہتے ہوئے انسان اپنے اختیارات کا استعمال کرے۔

یہ نصب العین اور حدود غیر متبدل ہیں اور انہی کو ابدی صداقتیں کہا جاتا ہے۔ اسلامی مملکت کا اختیارِ قانون سازی، ان ابدی صداقتوں کی روشنی میں، اپنے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق جزئیات مرتب کرنے تک محدود ہے۔

ہرگاہ کہ

قرآن کی رو سے حیات کا سرچشمہ ایک ہے اور وہی سرچشمہ ان ابدی صداقتوں کا ہے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ سرچشمہ حیات اور مستقل اقدار کے سرچشمہ کی وحدت کی بنا پر

(i) تمام نوعِ انسان ایک برادری کے افراد ہیں جو جغرافیائی، نسلی، لسانی، وطنی حدود سے متاثر نہیں ہوتی۔ اور

(ii) نوعِ انسانی کی فلاح کا راز ایک ہی ضابطہ حیات کے مطابق زندگی بسر کرنے میں مضمر ہے۔

ہرگاہ کہ

اسلام کا مقصود ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل ہے جو اپنی مخصوص آئیڈیالوجی اور فلسفہ زندگی رکھتا ہے۔ وہ اس کے مطابق افرادِ انسانیہ کی تربیت کے ذریعے ایک ایسی فضا کی تخلیق کرتا ہے جس میں یہ افراد اولاً اپنی جماعت میں اس فلسفہ کو عملاً آزماتے ہیں اور اس کے بعد اس کے منافع کو تمام نوعِ انسانی تک پھیلاتے چلے جاتے ہیں۔

یہ معاشرہ ایسا ہوتا ہے جس میں

(i) افرادِ معاشرہ اپنے اندر ان صفاتِ خداوندی کو منعکس کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں جنہیں "اسمائے الٰہی" کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو کائنات میں مستقل اقدار کا سرچشمہ ہیں۔

(ii) ان افراد میں ایسا ضبطِ نفس پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ ان صفات میں ٹھیک ٹھیک توازن قائم رکھ سکیں۔

(iii) ان افراد میں ایسی بصیرت پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ صحیح صحیح فیصلہ کر سکیں کہ فلاں خارجی حادثہ کی صورت میں کس قسم کی صفتِ خداوندی کا ظہور ہونا چاہیئے۔

(iv) افرادِ امت میں قوائے فطرت کی تسخیر کی قوت اور ان کے ماحصل کو فلاحِ انسانیت کے لئے صرف کرنے کی صلاحیت پیدا

ہو جاتی ہے۔

(v) انسانی اختیار وارادہ کی وسعتیں زیادہ سے زیادہ ہوتی جاتی ہیں اور وہ ان پابندیوں کے علاوہ جو حدود اللہ متعین کرتی ہیں ہر قسم کی پابندی سے آزاد ہوتے ہیں

(vi) افراد امت، حدود اللہ کی اطاعت کو خارج سے عائد شدہ پابندی نہیں محسوس کرتے بلکہ اس میں اپنی ذات (personelity) کے تقاضوں کی تسکین کا سامان پاتے ہیں۔

(vii) وحدتِ خالق وحدتِ انسانیت اور وحدتِ ائتلافِ امت کا تصور محکم سے محکم تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

(viii) اس وحدت کے عملی تصور سے انسان اور کائنات، انسان اور انسان، اور خود انسان کی اپنی ذات کے تضادات میں توافق پیدا ہو جاتا ہے جس سے انسانی معاشرہ کی تمام ناہمواریاں مٹتی چلی جاتی ہیں

(ix) ہر فرد امت، اپنے آپ کو خدا کی صفت رب العالمین کا مظہر سمجھتے ہوئے بلا مزد و معاوضہ انسانیت کی ربوبیتِ عامہ کا کفیل بن جاتا ہے۔

(x) احترام آدمی کا معیار صرف آدمیت قرار پاتا ہے اور وجہ تکریم، قانون خداوندی کی زیادہ سے زیادہ اطاعت ہوتی ہے۔

(xi) وطن، قومیت، نسل، نسب، زبان، پیشہ وغیرہ کی اضافی نسبتیں کچھ اہمیت نہیں رکھتیں۔

(xii) انسان پیشوائیت کی روحانی غلامی اور ملوکیت اور مفاد پرستی کی طبیعی غلامی سے یکسر آزاد ہو جاتا ہے۔ یعنی اس معاشرے میں خدا اور بندے کے درمیان کوئی طاقت حائل نہیں ہوتی اور کوئی دیوار حاجب نہیں بنتی۔

ہرگاہ کہ

دنیا کے موجودہ نظامہائے زندگی انسانیت کے مسائل کا حل پیش کرنے اور اس قسم کے صالحانہ معاشرہ کو متشکل کرنے سے قاصر رہے ہیں۔

لہٰذا

ہم اعلان کرتے ہیں کہ مملکتِ پاکستان ایک ایسی آزاد اور خود مختار مملکت ہے جس کا دستور قرآن کی ابدی صداقتوں پر مبنی ہوگا اور جس میں

(i) تمام افراد مملکت کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کے فراہم کرنے کی ذمہ داری مملکت پر ہوگی۔

(ii) مملکت ایسا انتظام کرے گی کہ تمام افراد کو ان کی مضمر صلاحیتوں کے پورے طور پر نشوونما پانے کے مواقع یکساں طور پر میسر ہوں۔

(iii) حدود اللہ کے دائرۂ عمل کے اندر، افراد کے اختیارات کے استعمال میں کوئی غیر ضروری رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی اور مملکت ان صلاحیتوں کو ابھارنے اور نکھارنے کا پورا پورا بندوبست کرے گی۔

(iv) تمام قدرتی اور مصنوعی وسائل پیداوار اصلاً امت کی مشترکہ ملکیت قرار پا گئے۔ مملکت ان وسائل کو پورے طور پر مسخر کرے گی اور ان کے نتائج کو انسانیت کی نشوونما کے لئے کام میں لائے گی تاکہ عدلِ عمرانی کا تقاضا پورا ہو۔

(v) ہر فردِ مملکت، قانون کی نگاہ میں یکساں حیثیت رکھے گا اور اسے بغیر مالی بار کے انصاف بہم پہنچایا جائے گا۔

(vi) مملکت کی اقلیتوں کے ساتھ پورا پورا عدل کیا جائے گا اور ان کی جان، مال، عصمت، آبرو، مذہب، معابد، سب کی حفاظت کی جائے گی۔

(vii) ساری مملکت ایک غیر منقسم وحدت ہوگی اور موجودہ صوبائی تقسیم جو ملت کے تشتت وانتشار کا موجب ہے ختم کر دی جائے گی۔ تاکہ یہ نظام جغرافیہ، نسل، زبان، رنگ کے امتیازات مٹا کر، وحدت انسانیت کے نصب العین کی طرف راہنمائی کرے اور دنیا میں امن اور خوشحالی عام ہو سکے۔

(viii) مملکت اس معاشرہ کی تشکیل اور استحکام کے لئے جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے تمام افراد کی صلاحیتوں کو بروئے کار لائے گی اور تمام اجتماعی کوششوں کو اس نقطہ پر مرکوز کر دے گی اور اس مقصد کے حصول میں کسی قربانی سے دریغ نہ کرے گی کہ اس کی ہستی کا جواز ہی اس مقصد کا حصول ہے۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

تاکہ ـــــ

مملکت پاکستان ایک ایسی تجربہ گاہ بن سکے جو فروغ آدمیت اور ارتقائے انسانیت کے ذریعہ دنیا سے ہر قسم کے استبداد واستیلا اور سلب ونہب کے مٹانے کا موجب ہو اور اقوام عالم کی صف میں اسی حیثیت سے ممتاز ہو۔ اور اس تجربہ کے عملی نتائج کو دیکھ کر تمام نوع انسانی ایک مرکز پر جمع ہو جائے اور

"زمین اپنے نشوونما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے"۔

۲۔ اصول ہدایات

(۱) قرار داد مقاصد، جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کا بنیادی، اصول ہدایت ہوگی، جس سے مقصود یہ ہے کہ یہ جمہوریہ قرآنی اصولوں کی پاسبان ہوگی اور ان کی تقنین وتنفیذ کا ذریعہ۔

(۲) یہ جمہوریہ ان مقاصد کے حصول کے لئے جن کا ذکر قرار داد مقاصد میں آچکا ہے اور جن کی تشریح زیر نظر بنیادی اصولوں میں کی جا رہی ہے، کسی قربانی سے دریغ نہیں کرے گی، لیکن اس مقصد کے حصول کے لئے جمہوریہ کوئی ایسا ذریعہ اختیار نہیں کرے گی جو اسلامی تعلیم کے خلاف ہو۔

(۳) قرار داد مقاصد کی رو سے جمہوریہ کا فریضہ ہوگا کہ

(ا) وہ تمام افراد مملکت کی بنیادی ضروریات زندگی کی کفیل ہو جن میں خوراک، لباس، مکان، حفظان صحت، تفریحات شامل ہیں۔ ان ضروریات زندگی کا پیمانہ ایسا ہوگا جس میں نہ اسراف کو دخل ہو اور نہ ہی وہ معیار انسانیت سے گرا ہوا ہو۔

(۱۱) تمام افرادِ مملکت کو ان کی مضمر صلاحیتوں کے مکمل طور پر نشوونما پانے کے مواقع یکساں طور پر بہم پہنچائے۔ اس کے لئے ضروری ہوگا کہ مملکت تمام افراد کی تعلیم و تربیت کا ایسا انتظام کرے جس سے ان افراد کے دل و دماغ کی تعمیر اسلامی خطوط کے مطابق ہو، تاکہ وہ تمام علوم و فنون کے نتائج کو مستقل اقدار کی روشنی میں پرکھنے کے اہل ہو جائیں اور اس طرح حسنِ سیرت اور صالحیت فکر کے لحاظ سے نوعِ انسانی کی راہ نمائی کر سکیں۔

(۴) ان تمام فرائض سے عہدہ برآ ہونے کے لئے زمین اور دیگر قدرتی اور مصنوعی وسائل پیداوار، ذرائع مواصلات و نقل و حرکت وغیرہ ملت کی مشترکہ ملکیت ہوں گے۔ نیز افرادِ ملت کی متاعِ علمی امت کا مشترکہ سرمایہ ہوگی جسے جمہوریہ اسلامیہ پاکستان مفادِ ملت اور ارتقائے انسانیت کے طور پر کام میں لائے گی۔

(۵) جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کی تمام سعی و کاوش کا رخ اس منزل کی جانب ہوگا جس سے دنیا میں امن و سلامتی کی فضا پیدا ہو جائے اور کوئی انسان کسی دوسرے انسان پر ظلم و تعدی نہ کر سکے اور نہ ہی کوئی قوم کسی دوسری قوم کو اپنی کامرانیوں کے حصول کا ذریعہ بنا سکے۔ نہ ہی کوئی فرد اپنی بنیادی ضروریاتِ زندگی سے محروم رہنے پائے۔

(۶) جمہوریہ اسلامیہ پاکستان انتہائی کوشش کرے گی کہ وہ اپنے ایمانِ محکم اور پاکباز روش سے بتدریج ایسے مقام تک پہنچ جائے جس سے اسے اقوامِ عالم میں بین الملی پوزیشن حاصل ہو جائے اور وہ دیگر اقوام کے اعمال کی محاسب و نگراں اور نوعِ انسانی کے متنازعہ فیہ امور میں ثالثِ عادل بن سکے۔

(۷) جمہوریہ اسلامیہ پاکستان، انسانیت کے بنیادی حقوق کا تحفظ کرے گی۔

(۸) مملکت پاکستان دنیا کے ہر ستائے ہوئے انسان کا ملجا و ماویٰ ہے جہاں وہ، حقوقِ شہریت کی شرائط کو پورا کرتے ہوئے اپنے دکھوں کا علاج اور تکالیف کا مداوا پا سکتے ہیں۔ یہ جمہوریہ اس مقصد کے حصول کے لئے دیگر اقوامِ عالم سے مناسب معاہدات کرے گی اور ایسی موثر تدابیر اختیار کرے گی جس سے بین الاقوامی ادارے اس قسم کی پناہ جوئی کو حقِ انسانیت اور ایسی پناہ دہی کو فریضۂ مملکت قرار دیں۔

یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اگر پاکستان کا آئین مذکورہ صدر خطوط پر متشکل ہو جاتا تو ملک میں وہ فساد کبھی رونما نہ ہوتا جس نے مملکت کو تباہی کے جہنم کے کنارے پہنچا دیا تھا۔

ضرورتِ رشتہ

ایک زمیندار ملازم ریلوے ادھیڑ کے لئے رشتہ کی ضرورت ہے۔ لڑکی جوان عمر کنواری یا بیوہ بغیر بچہ کچھ تعلیم یافتہ ہو۔ زمیندار ہم آہنگ فکر کو ترجیح دی جائیگی۔ ضرورت مند اصحاب مندرجہ ذیل پتہ پر خط و کتابت کریں۔ یا خود ملیں۔

معرفت خزانچی بزم طلوع اسلام ۲۵۔ بی گل برگ کالونی ۔ لاہور

حقائق و عبر

المنبر لائل پور کی معذرت

طلوع اسلام کے صفحات پر معاصر المنبر (لائل پور) کا تذکرہ کئی بار آچکا ہے۔ یہ جریدہ "اعتزال" سے پہلے جماعت اسلامی کا پرجوش مبلغ تھا۔ اب وہ پرچہ بند ہو رہا ہے اور اس کی جگہ المنبر جاری کیا جا رہا ہے۔
المنبر کی آخری اشاعت میں اس کے حلقۂ ادارت کی طرف سے ایک معذرت نامہ شائع ہوا ہے جس میں انھوں نے لکھا ہے۔

> المنبر کے چار سالہ دور میں ہم نے بعض اہل علم اور دینی جماعتوں سے اختلاف کیا ہے۔ بعض معمر اور بزرگ حضرات کی آراء پر تنقیدیں کی ہیں اور بعض کے نظریات کو غلط ثابت کیا گیا ہے۔ ہم جب اللہ کے حضور جواب دہی کا احساس رکھ کر ان تنقیدوں پر غور کرتے ہیں تو جہاں تک نیت کا تعلق ہے، اپنی تمام تر کمزوریوں کے کامل اعتراف کے باوجود ہمیں یقین ہے کہ پچھلے دور کے تمام مراحل میں ہماری نیت مخلصانہ رہی ہے۔ اس وقت نظر سے جائزہ لینے کے باوجود ہم مطمئن ہیں کہ ہم نے مخالف نظریات و آراء کے مفہوم کو متعین کرنے میں کبھی عمداً کسی زیادتی اور ناانصافی کو اختیار نہیں کیا۔

اس کے بعد انھوں نے لکھا ہے کہ جن حضرات سے انھوں نے اختلاف کیا ہے وہ

> ان سے غیر مشروط معافی طلب کرتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس نوع کی تمام تلخیوں کو ختم کر دیں۔

ازاں بعد انھوں نے بہت سے حضرات کے اسمائے گرامی درج کئے ہیں جن سے وہ خاص طور طلبگار معافی ہیں۔ آخری فقرہ یہ ہے۔

> یہی درخواست ... طلوع اسلام کے مدیر جناب پرویز سے ہے کہ ہم نے کئی بار ان سے بھی شدید اختلاف کیا ہے لیکن بجز حمایت حق کے اور کوئی چیز مطلوب نہیں تھی۔ ہم توقع رکھتے ہیں کہ یہ حضرات اس درخواست کو شرف قبولیت عطا فرمائیں گے۔

ادارۂ المنبر کی یہ کشادہ ظرفی درخور تحسین ہے اور ہم اس کا یقین کئے لیتے ہیں کہ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے حسن و صفائی نیت سے لکھا ہے۔ لیکن چونکہ انھوں نے یہ کہا ہے کہ انھوں نے یہ کچھ "اللہ کے حضور جواب دہی کے احساس سے" لکھا ہے اس لئے ہم اپنے بھائی کی خیر خواہی کی غرض سے اس کی توجہ ایک اہم حقیقت کی طرف مبذول کرانا ضروری سمجھتے ہیں اور وہ یہ کہ بعض اوقات ایسا بھی

ہوتا ہے کہ انسان انتہائی نیک نیتی کے باوجود، غیر شعوری طور پر فریبِ نفس میں مبتلا ہوتا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ جہاں تک طلوع اسلام کے ساتھ معاملہ کا تعلق ہے، صورتِ حالات کچھ اسی قسم کی ہے۔

المنبر میں طلوع اسلام کی طرف ایسی ایسی باتوں کو منسوب کیا گیا جن کے ساتھ اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ پھر اس قسم کے اتہامات کی بنیادوں پر اس کے خلاف پروپیگنڈا کی عمارت استوار کی جاتی رہی۔ اور یہ سلسلہ مدتوں جاری رہا۔ طلوع اسلام نے المنبر (اور اس کے مقالہ نگار حضرات) کی خدمت میں کئی بار لکھا اور بنظرِ احتیاط خطوط بصیغۂ رجسٹری بھیجے کہ طلوع اسلام کی طرف جو کچھ منسوب کیا جاتا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ طلوع اسلام کا مسلک یہ ہے۔ آپ اس مسلک کو اپنے صفحات میں شائع فرما دیں اور اس کے بعد اس پر جس قسم کی تنقید چاہے کریں۔

لیکن المنبر نے ہمارے ارسال کردہ (صحیح) مسلک کو اپنے ہاں کبھی شائع نہ کیا اور (غلط بنیادوں پر) اپنے پراپیگنڈے کو بدستور جاری رکھا۔ ہمارا خیال ہے کہ اس کے بعد یہ کہنا کہ

ہم نے مخالف نظریات و آراء کے مفہوم کو متعین کرنے میں عمداً کسی زیادتی اور ناانصافی کو اختیار نہیں کیا۔

اگر دانستہ کتمانِ حقیقت نہیں تو نادانستہ خود فریبی ضرور ہے۔ ہم ادارۂ المنبر کی خدمت میں عرض کریں گے کہ اگر انھوں نے "اللہ کے حضور جواب دہی" سے بچنا ہے تو وہ حقیقت کے اعتراف کے بعد، تلافی مافات کی کوشش کریں۔ ہمارے خیال میں ان کا جرم "قتلِ عمد" کے ذیل میں آتا ہے۔ اور اس کا محرک جذبہ وہ "جماعتی عصبیت" ہے جس کے یہ حضرات اُس زمانے میں بُری طرح سے شکار تھے۔

(ضمناً یہ بھی عرض کر دیا جائے کہ پرویز صاحب طلوع اسلام کے مدیر نہیں)

یہ کیوں؟

جماعت اہلحدیث کے ترجمان، معاصر منہاج کی ۱۵ نومبر کی اشاعت میں "یہ کیوں" کے عنوان سے، حسب ذیل شذرہ شائع ہوا ہے۔

اکتوبر کے طلوع اسلام کے صفحہ اول پر جو لکھا ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجۂ ذیل حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ہے کہ خبردار فتنہ واقع ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کیونکر نجات ہوگی؟

آپ نے فرمایا کہ کتاب اللہ (پر عمل کرنے) سے، جس میں تمہارے درمیان (حرام وحلال یا طاعت وگناہ وغیرہ کا) حکم ہے اور حق و باطل کے اندر قول فیصل ہے۔ جس شکبر نے قرآن کو چھوڑا۔ ہلاک کرے گا اس کو اللہ۔ اور جس نے قرآن کے سوا کسی دوسری چیز میں ہدایت طلب کی گمراہ کرے گا۔ اس کو اللہ۔ جس نے قرآن کی طرف بلایا اس کو سیدھی راہ دکھائی گئی۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی۔ دارمی)

معلوم ہے آپ کو یہ حدیث کیوں نقل کی گئی ہے؟ یہ تاثر پیدا کرنے کے لئے کہ اصل چیز کتاب اللہ (قرآن مجید) ہے۔ حدیث اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔!

یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔

ایک یہ کہ "ادارہ طلوع اسلام" کے نزدیک جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث غیر معتمد علیہ، غیر مستند ناقابل استناد و حجت اور عجمی سازش کا افسانہ ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کیونکر لائق استناد اور قابل حجت و استدلال ہو سکتا ہے؟ ادارہ طلوع اسلام کے پاس اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ یہ فرمان فی الواقع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اور اس میں بھی سازش کارفرما نہیں ہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ جب اصل چیز کتاب اللہ ہے۔ اور باقی سب چیزیں ناقابل اعتماد اور غیر معتبر ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو نقل کرنے کا کیا مطلب؟ آپ کو چاہیے کہ ہر چیز میں کتاب اللہ ہی کو مقدم رکھیں اور اسی سے اپنے مسلک کی حقانیت اور صحت و استواری ثابت کریں۔

جب کتاب اللہ کے سوا باقی سب چیزیں غلط اور ہلاکت کی طرف لیجانے والی ہیں۔ تو کیا یہ حدیث اس میں نہیں آتی؟ یہ آخر کیوں مستثنیٰ ٹھہری؟ کیا اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ جو چیز اپنے مطلب کے مطابق سمجھی اس کو لے لیا۔ اور جو اپنے ذہن کے قالب میں موزوں نہ ہوئی اس کو غیر صحیح قرار دے کر مسترد کر دیا۔؟

طلوع اسلام | مشکل یہ ہے کہ تعصب کی وجہ سے انسان کے ماتھے کی آنکھیں تو ٹھیک رہتی ہیں۔ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ (۲۲/۴۶) اس کے دل کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔ اگر ہمارے معاصر کی دل کی آنکھیں روشن ہوتیں تو اسے اپنے سوال کا جواب خود طلوع اسلام کے صفحات میں مل جاتا۔ .. .. طلوع اسلام پہلے دن سے اس حقیقت کا اعلان کرتا چلا آرہا ہے کہ اس کے نزدیک صحیح اور غلط کا معیار (خواہ وہ احادیث ہوں یا کسی اور کے اقوال و اعمال و آراء و خیالات) قرآن کریم ہے۔ جو بات قرآن کے مطابق ہو اسے ہم صحیح مانتے ہیں جو اس کے خلاف ہو اسے غلط سمجھتے ہیں اور اگر وہ حدیث ہے تو اس کی بابت کہہ دیتے ہیں کہ رسول اللہ کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں۔ ہمارے نزدیک وہ احادیث "غیر معتمد علیہ۔ غیر مستند۔ ناقابل استناد و حجت، اور عجمی سازش کا افسانہ" ہیں جو قرآن کے خلاف ہیں اور اس لئے رسول اللہؐ کی طرف ان کی نسبت صحیح نہیں۔ ہمارا مسلک یہ نہیں کہ "جو چیز اپنے مطلب کے مطابق سمجھی اسے لے لیا اور جو اپنے ذہن کے قالب میں موزوں نہ ہوئی اس کو غیر صحیح قرار دے کر مسترد کر دیا۔" ہمارا مسلک یہ ہے کہ رد و قبول کا معیار قرآن ہے۔ جو اس کے مطابق ہے اسے ہم لیتے ہیں جو اس کے خلاف ہو اسے مسترد کر دیتے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے ہم اپنے اس مسلک کا اعلان پہلے دن سے کرتے چلے آرہے ہیں۔ طلوع اسلام کے ٹائٹل پر اور ادارہ کی طرف سے شائع کردہ اکثر تصانیف پر، ایک بلاک شائع ہوتا ہے جس کا عنوان ہے "طلوع اسلام کا مقصد اور مسلک" اس میں شق ۲ یہ ہے۔

حق اور باطل کا معیار قرآن ہے - ہر وہ بات جو قرآن کے مطابق ہے صحیح ہے - جو اس کے خلاف ہے وہ غلط ہے -
اور اس سے اگلی شق میں لکھا ہے
حضورؐ کی سیرت کا صحیح معیار خود قرآن کریم ہے -
اسے بھی چھوڑئیے - اگر معاصر موصوف طلوع اسلام کی آخری اشاعت (یعنی نومبر ۱۹۵۸ء کا پرچہ) ہی ملاحظہ کر لیتا تو اس کے صفحہ ۳۹ پر اسے یہ عبارت نظر آجاتی -

مختصر الفاظ میں - جو فیصلہ جو عقیدہ، جو نظریہ یا سیرت طیبہ کے متعلق جو روایت قرآن کے خلاف ہو یا حضورؐ کی شان کے خلاف - ہم اسے صحیح نہیں سمجھتے - نہ حضورؐ کا کوئی حکم قرآن کے خلاف ہو سکتا تھا نہ کوئی قول یا فعل اس کے خلاف

بالفاظ دیگر دینی امور اور کوائف سیرت مقدسہ میں غلط اور صحیح کا معیار قرآن ہے -

کیا معاصر موصوف اتنی جرأت سے کام لے گا کہ ہمارے اس مسلک کو اپنے ہاں شائع کر دے ؟

صرف ایک کلمہ

آیئے - لگے ہاتھوں ہم معاصر موصوف کے سامنے اس کی ایک مثال بھی پیش کر دیں - منہاج کی ۲۵ اکتوبر کی اشاعت میں حسب ذیل روایت شائع ہوئی ہے -

طلحہ بن عبید اللہؓ کے انتقال کے وقت حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے - دیکھا کہ چہرہ کا رنگ فق ہے اور بہت لاغر ہو گئے ہیں - فرمایا آپ کا رنگ کیوں بدلا ہوا نظر آتا ہے - کہنے لگے - ایک بات تھی - جو میں نے سرکار مدینہ سے سُنی تھی لیکن افسوس اس کی پوری تفصیل دریافت کرنے کی نوبت نہ آئی - یہ سب پریشانی اور رنج اسی وجہ سے ہے - حضرت ابوبکرؓ نے دریافت کیا - کہ وہ کیا بات تھی - کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا - کہ مجھ کو ایک ایسا کلمہ معلوم ہے کہ اگر اس کو موت کے وقت پڑھا جائے - تو تمام گناہ اور معاصی معاف ہو جاتے ہیں - خواہ مقدار و شمار میں وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں - افسوس پھر یہ پوچھنا یاد نہ رہا - کہ وہ کونسا کلمہ ہے - حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا - کہ وہ کلمہ میں بتائے دیتا ہوں - وہ ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ -

ہمارے نزدیک یہ روایت اس لئے صحیح نہیں کہ یہ قرآن کے بنیادی اصول (قانون مکافات عمل) کے خلاف جاتی ہے جس کا اعلان ہے کہ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (۹۹) "جس نے ایک ذرہ برابر اچھا کام کیا وہ اس (کا نتیجہ) اپنے سامنے دیکھے گا - اور جس نے ایک ذرہ برابر بُرا کام کیا اس کا نتیجہ بھی" اور ہم اسے "عجمی سازش" (یعنی ان لوگوں کی سازش جو مسلمانوں کو اسلام سے بیگانہ بنانے کے درپے تھے) اس لئے کہتے ہیں کہ ان مخالفین اسلام کی اسکیم یہ تھی کہ مسلمانوں جیسی یکسر عملی قوم کو حصول جنت کے لیے آسان طریقے بتا دیئے جائیں جن سے یہ عمل سے یکسر بیگانہ ہو جائے -

اب آپ نے اندازہ فرمایا کہ ہمارے نزدیک حق و باطل کا معیار کیا ہے ؟

قرآن چھوڑ کر ہم نے کیا کیا کھویا؟

علامہ موسیٰ جار اللہ کی زبانی

(محترم رحمت اللہ طارق - پاکستانی از مکہ مکرمہ)

ستمبر ۱۹۸۵ء کے طلوع اسلام میں علامہ موسیٰ جار اللہ رح کی قرآنی فکر کے چند منتشر پارے آپ کی نظروں سے گذر چکے ہیں۔ ذیل میں اس قبیل کی کچھ مزید چنگھاریاں پیش خدمت ہیں۔ (طلوع اسلام)

ہر انقلاب قدیم نظریات کو مٹاتا اور نئے اقدار کو قائم کرتا ہے کیونکہ یہ اس کا خاصہ ہے۔ ۱۸۵۷ء کے منحوس اضطراب میں بہت سی تاریخی ہستیاں حرفِ غلط کی طرح مٹ گئیں۔ لیکن یہ انقلاب جہاں اپنی ان ریاکیفیات سے رونما ہوا وہاں اس کے جلو میں ایسی باکمال ہستیوں نے بھی جنم لیا جن کی محیر العقول قوتِ ارادی۔ عزم بلند اور زورِ عمل نے از سرِ نو ملتِ اسلامیہ کے گرتے ہوئے ستونوں کو سہارا دیدیا۔ کیونکہ ان کی صلاحیتوں کا تقاضہ ہی یہی تھا۔ ہمارا اشارہ سید احمد خاں کی طرف ہے۔ اسی طرح ۱۹۱۷ء کے اشتراکی انقلاب نے مسلمانوں کی تباہی کا بدلہ موسیٰ جار اللہ کی صورت میں دیگر تلافی کردی۔ نام ان کا موسیٰ ہے مگر کعبۃ اللہ کی دیواروں سے چمٹ کر بیٹھنے کی وجہ سے جار اللہ (خدا کے پڑوسی) مشہور ہوئے۔ سید احمد خاں نے جب مہرِ سکوت توڑی تو زوالِ اُمت کے اسباب میں سے ایک ہی سبب بنیادی بتایا۔ وہ یہ کہ۔ ہم نے قرآن چھوڑ کر سب کچھ کھو دیا۔ اور اب اگر کچھ حاصل ہو سکتا ہے تو اسے تھام کر ہی۔

اسی طرح ۶۰ برس بعد موسیٰ جار اللہ نے یہی کچھ کہا۔ زیرِ نظر مقالہ موسیٰ جار اللہ کے افکار و نظریات کا ترجمہ ہے

رسالت سے کیا مراد ہے؟

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت قرآن ہے اور وہی رسالت کی بنیاد ہے پس جب تک قرآن باقی ہے رسالت غیر فانی ہے۔ اور قرآن ہی وہ رحمتِ عمومی اور نفحاتِ الٰہیہ ہے جس کے ذریعہ ہماری نابینا آنکھیں بہرے کان اور مقفل دل کھل سکتے ہیں اور اگر آپ قرآن حکیم کو انسانی افکار و آرا کی حدود و قیود سے آزاد کر کے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ عقلِ انسانی نے جو کمال کے مراحل طے کئے ہیں وہ سب اسی کے طفیل ہے اور آج ہم جن محیر العقول انکشافات و تحقیقات، خارق العادت امور، اور عجیب و غریب اختراعات و ایجادات کا مشاہدہ کر رہے ہیں یہ سب قرآن حکیم کی آزاد تفسیریں ہیں یہ ترقی افکار علوم میں جو

یا صنعت و حرفت میں یا کیمسٹری، طبیعیات اور اجتماعیات میں، باعث سب کا قرآن ہی ہے۔ (حروف اوائل السور صفحہ)

لا نبی بعدہ کا مفہوم ہمارا ایمان ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا کیونکہ قرآن کریم باقی ہے اور قرآن ہی نبوت و رسالت کی بنیاد ہے۔ پس رسالت محمدیہ ابد الآباد تک اس معنی میں جاری و ساری رہے گی کہ قرآن باقی ہے۔ وہ قرآن جو مصاحف میں اُمت کے سینوں میں اور اہل علم کے خزانۂ دماغ میں محفوظ ہے (ایضاً صفحہ)

علامہ مرحوم نے ایک دوسری کتاب میں اس کی وضاحت یوں کی ہے کہ

> کسی وہمی کے دماغ میں یہ خیال نہ آنے پائے کہ رسالت منقطع ہو گئی ہے بلکہ رسالت باقی اور برملا رہے گی کیونکہ قرآن باقی ہے (کتاب السنۃ صفحہ)

(مترجم:۔ علامہ ممدوح کا مطلب یہ ہے کہ نبوت و رسالت ختم ہونے کی صورت میں دوسری نبوت کا ظہور لازم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ سنت اللہ ہے۔ لیکن جب ایک عالمگیر رسالت کسی انسانی شکل میں نہیں بلکہ قرآن کی صورت میں تا قیامت موجود ہے تو پھر اس معنی میں رسالت کو ختم کہنا غلطی ہے۔)

حسبنا کتاب اللہ ہمیں حق گو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے اس قول حق کا اعلان کرنا چاہیئے جب زندگی کے آخری ایام میں خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر درست فرمایا یعنی

" حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰہِ

ہماری ضروریات دینی کے لئے کتاب اللہ کافی ہے"

لہٰذا اُمت کے لئے روا نہیں کہ قرآن حکیم کے بعد کسی چیز کی محتاج رہے۔ اور یہ قرآن ہی تو ہے جس میں پوری کفایت ہے۔

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِيْرًا (صفحہ سطر ۱۲ تا ۱۴)

کوئی خشک و تر نہیں جو کتاب مبین میں نہ ہو۔ وہ تیرے پاس کوئی ایسی مثال نہ لائیں گے جسے ہم حق اور بہتر تفسیر کے ساتھ آپ کو نہ دے چکے ہوں۔

عصر قرآن قرن اول ہی قرون اسلام میں شمار ہو سکتا ہے اور یہی قرآن حکیم کا قرن ہے جس میں

(۱) قرآن مجید نازل ہوا۔

(۲) رسالت مآبؐ نے لوگوں کو اس کی تعلیم دی۔

(۳) صحابہ کرامؓ نے مصاحف کی صورت میں ہزاروں نسخے لکھ لئے۔

(۴) اسی عہد میں۔ ہند، فارس، روم اور زنجبار نے قرآن حکیم کو سیکھا۔

(۵) اسی میں ان اقوام کے چیدہ افراد "علمائے قرآن" کہلائے۔

(۶) مسلم اجتماعیت قائم ہوئی اور قرآن دستورالعمل قرار پایا۔

(۷) قرآن کی انقلابی طاقت سے فتوحات ہوئیں۔

(۸) مختلف حکومتوں نے قرآن کو سرکاری دین قرار دیدیا۔

(۹) خدا کا وعدہ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ اسی قرن میں پورا ہوا اور روئے زمین کی دو بڑی سلطنتیں اسلام کے زیرنگیں ہوئیں

(۱۰) اس سنہرے دور میں۔ مسلمانوں کے ہاتھ میں قرآن کے سوا کوئی ایسی چیز مکتوب و محفوظ نہیں تھی جس کی طرف مشکلات کا حل تلاش کرنے کے لئے رجوع کیا جا سکتا ہو۔ اس وقت امت کا آرٹ بھی قرآن تھا اور لٹریچر بھی قرآن، اور امت اپنے قلبی شعور کے ساتھ کتاب اللہ کو تمام آلائشوں سے منزہ رکھتی اور نہیں چاہتی تھی کہ قرآن کے ماسوا اس کے ہاتھ میں کوئی ایسی کتاب مدون ہو جو قرآن کا مقابلہ و مزاحمت کر سکتی ہو۔ الحاصل اس دور میں اُمت کا انفرادی اور اجتماعی "شعار" قرآن ہی تھا اور وہ صرف اس عقیدت کی پابند تھی کہ

حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ

اور یہ وہ سچا قول ہے جسے عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ؐ کے روبرو فرمایا۔۔ اور نبی کریم ؐ نے اسے برصواب قرار دیتے ہوئے جو کچھ لکھ دینے کا ارادہ کیا تھا وہ بھی ترک فرما دیا۔۔ فاروق اکبرؓ کا یہ قول اس لئے برصواب قرار دیا گیا کہ یہ (I) امر واقع کے مطابق (II) وحی کے موافق (III) امّت کی مصلحت کے عین مناسب تھا۔ بالخصوص (ححلا) آنحضرت ؐ کے اس خطبہ سے ملتا جلتا تھا جو آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا

يعنی تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا اَلقُرْآنَ اَلْكَرِيمَ كِتَابَ اللهِ ۔ یعنی میں تم میں وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں جس کو تم نے اگر مضبوط تھام لیا تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔۔ اور وہ ہے کتاب اللہ قرآن کریم۔

یہ خطبہ امام مسلم ؒ نے جابرؓ کے واسطہ سے روایت کیا ہے اور لطف یہ ہے کہ اس قرآن میں کتاب اللہ کے ساتھ۔ السُّنَّتَہ۔ یا عترت اور اہل بیت کا لفظ نہیں۔ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی اہمیت کو گھٹانے کے لئے صحابہؓ کے دور کے بعد۔ راویوں نے حسب ضرورت ان الفاظ کا اضافہ کیا تاکہ یہ ثابت ہو سکے کہ قرآن کے علاوہ قرآن جیسی اور چیز بھی کوئی ہے۔۔ تاہم قرن اول جو کہ عصر قرآن تھا۔ اس میں امت محترمہ کتاب اللہ کے سوا کسی چیز پر اعتماد نہیں کرتی تھی اور وہ حدود اللہ کے سوا تمام پابندیوں سے آزاد تھی (حروف اوائل السور صفحہ ۴۲-۴۳)

تدوینِ حدیث کے محرکات اور قرآن سے بے رخی کے اسباب

قرن اول میں بڑے بڑے جباروں کے اقتدار کو چیلنج کیا گیا جس سے مقہور رعایا اور کمزور امتوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ خاص کر صدر اول نے فتوحات کے بعد وہاں کے مقامی باشندوں کو اپنے حال پر آزاد چھوڑ کر تمام حکومتوں سے بھر جانے کی چھوٹ دیدی۔ بس یہی مساوات کا عقیدہ اور مواخات کی سیاست تھی جس نے مسلمانوں کے لئے عظیم فتوحات کو آسان کر دیا۔ کیونکہ مختلف ممالک کی رعایا نے جب اس سیاست پر نظر کی تو ان میں روحِ انقلاب بیدار ہونے لگی اور وہ خود بخود فراعنہ و نمارد وقت سے نفرت کرنے اور نجات پانے کی تدبیروں میں لگ گئی۔ خاص کر ان کے سامنے اسلامی اجتماعیت کا ایک ایسا بھی نمونہ تھا جہاں قانون کی نظر میں چھوٹے بڑے کا

امتیاز نہیں تھا اور جس میں امیر وزیر ایک ہی درجہ پر مسئول و ماخوذ تھے اور یہ وہ مقدس ذہنیت تھی جس کا اسلام سے پہلے وجود ہی نہیں تھا اس سے متاثر ہو کر مختلف قومیں اسلام کی طرف مائل ہو گئیں۔ لیکن جب بنی امیہ کے اقتدار کے پاؤں دولت اسلام پر جم گئے تو ان کے دل میں کچھ شکوک و شبہات اور کچھ وسوسے اور نفسانی خواہشات و جذبات اس قسم کے پیدا ہو گئے جن کا اسلام کے ظہور و اشاعت سے کوئی تعلق نہیں تھا اور نہ ہی عرب کی اصلاح اُن سے وابستہ کی جا سکتی ہے۔ لیکن چونکہ زمام کار ان کے ہاتھ میں تھا لہٰذا ان میں غرور آگیا اور اسلام پر چلنا دشوار ہو گیا، اسلام اس وقت قرآن سے تعبیر ہوتا تھا، اور قرآن ان کی نفسانی خواہشات کے سامنے دیوار بن کر حائل ہو جاتا تھا اب سوائے اس کے کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ عربیت پر فخر کیا جائے تاکہ کسی طرح قرآن سے نجات کی راہ نکل آئے۔ چنانچہ عجم پر عرب کی فوقیت کو خوب اچھالا گیا اور جو لوگ حکومت کے اس عقیدے کے مزاحم ہوئے انھیں تمام مراعات سے محروم کر دیا گیا اور ہر اس شخص کو ترجیح دی جانے لگی جو عربیت میں فنا ہوتا نظر آتا۔ بنی امیہ کی یہ حرکتیں قرآنی نظام مساوات کے سراسر نقیض و منافی تھیں جن سے نہ صرف عرب بلکہ تمام قوموں نے صف بندی شروع کر دی اور بنی اُمیہ کے خلاف فتنہ و فساد کی ہمہ گیر آگ بھڑک اٹھی۔ اور یہ وہ منظر تھا جسے فراموش یا نظر انداز کرنا بنی اُمیہ کے بس کا روگ نہ تھا۔ لہٰذا اس بغاوت کو دبانے کے لئے ضرورت تھی ایسی ذہنیت پیدا کرنے کی جس سے مستقبل میں ایسے خطرناک طوفان اٹھنے کا امکان تک باقی نہ رہے۔ اور ذہنیت کا بدلنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اس لئے ضروری ٹھیرا کہ نصاب تعلیم ہی بدل دیا جائے چنانچہ نئے نصاب تعلیم میں حدیث کو قرآن پر مقدم کر دیا گیا اور اہل علم کے لئے اوامر صادر ہوئے کہ وہ احادیث کی جمع و تدوین پر لگ جائیں۔۔۔ کیونکہ اس کے بغیر تمام اسکیم ادھوری رہ جاتی تھی۔۔۔۔

حدیث آپ کی سیرت اور حیات مبارک کے متعلق ہو یا تعلیم و جہاد یا دیگر کارروائیوں اور عام برتاؤ کے متعلق اس پر خلفائے راشدینؓ حضرت عثمانؓ کے زمانے تک عمل کرتے رہے اور یہ اس کا "دینی دور" ہے لیکن نبی کریمؐ ہوں یا صحابہ کرامؓ۔ مہاجرینؓ انصارؓ ہوں یا دیگر عرب۔ تھے سب کے سب عربی۔ اور قرآن بھی عربی تھا اور سُنّت بھی۔ خلفاء کا عمل بھی عربی عمل تھا۔ اور دیگر عربوں کو بھی عربیت سے معرفت تھا۔ پس لازم ہے کہ اُمّت کی ذہنیت بھی عربی ہونی چاہیئے۔ یعنی آئندہ جب قرآن پڑھا جائے تو اسی عربی ذہنیت کو مدنظر رکھ کر۔ لہٰذا یہیں سے یہ عقیدہ راسخ ہو چلا کہ قرآن عرب کی ہدایت کے لئے نازل ہوا اور عربوں کو غیر عربوں پر فوقیت دینا اس کا پہلا فریضہ ہے۔

یہ تھی وہ ذہنیت جس کے پیدا کرنے کے لئے بنی اُمیہ نے اپنی تمام صلاحیتیں صرف کر دیں اور پھر یہ کہ بنی امیہ بھی چونکہ عرب ہیں لہٰذا من بین العرب بلا شرکت غیرے دینی اور روئے قرآن۔ صاحب فوقیت ہیں۔

پھر ہوا یہ کہ جو کتاب اللہ دور اوّل میں متن تھا اور سنت و احوال خلافت راشدہ سے بطور مثال و نظائر جو کام لیا جاتا تھا اب دور ثانی میں معاملہ برعکس ہو گیا۔ یعنی یہ احوال اور سنت "متن" بن گئے اور قرآن سنت کی قائم کردہ اجتماعیت کا مؤید۔ غرض اس سے یہ ٹھیری کہ یہ اجتماعیت خود قرآن ہی نے قائم کی ہے۔

اس بیان سے قطع نظر، دیکھا جائے تو امام فاروق اعظمؓ نے صدیق اکبرؓ و دیگر صحابہ کو مصاحف قلمبند کرنے پر مجبور کیا اور ایک دفعہ

حدیثیں لکھنے کا صحابہ سے مشورہ لیا بلکہ تائید بھی حاصل کر لی تھی مزید بر آں یہ کہ کتابت احادیث کے سلسلہ میں ایک ماہ تک استخارہ بھی کرتے رہے لیکن اس کے باوجود ایک صبح کو اچانک ارادہ بدل گیا اور اسی وقت صحابہ کو جمع کر کے خطبہ دیا کہ

میں نے حدیثیں لکھنے کا ارادہ کیا تھا اور آپ نے تائید بھی کر دی تھی لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جب کسی قوم نے اپنی روایتوں کو لکھا اور انہی (لکھے ہوئے) پر یکسوئی سے جم گئی تو کتاب اللہ کو چھوڑ دیا، خدا کی قسم میں ہرگز ایسے کثیف پردے کتاب اللہ کی راہ میں حائل نہ ہونے دوں گا۔ (صفحہ ۴۶ تا ۴۷)

پھر ہوا یہ کہ قرنِ اول جو اپنے قلبی شعور کے ساتھ کتاب اللہ کو تمام آلائشوں سے منزہ رکھتا اور یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے ہاتھوں میں قرآن کے علاوہ کوئی ایسی کتاب مدون ہو جو کتاب اللہ کا مقابلہ یا مزاحمت کر سکتی تھی اب قرنِ دوم نے قرآن کے متعلق یہ عقیدہ اور یہ پابندی ختم کر دی یعنی پہلے حدیث کی۔ پھر فقہ کی۔ فقہ اہلِ عراق کی فقہ اہلِ مدینہ کی۔ تدوین عمل میں لا کر قرآن تک پہنچنے کے راستے مسدود کر دیئے۔ اور پھر لوگوں نے انہی فقہیات کا، اتباع کر لیا۔ بلکہ جس طرح قرنِ اول میں قرآن پر اکتفا کرنا کافی ہوتا تھا اب فقہ پر اکتفا ہونے لگا۔ وہ فقہ جسے ائمہ عظام نے قرآن کے فہم اور اس سے استنباط مسائل کا صرف ذریعہ بنایا تھا۔ (صفحہ ۴۹)

اب دورِ اوّل اور دورِ ثانی کی اختلافِ ذہنیت کا جو نتیجہ نکلنا تھا وہ ظاہر ہے۔ لیکن اگر پہلا دور قرنِ دوم تک بھی پھیل جاتا تو امتِ محترم۔ روئے زمین پر اس آیت کا مصداق شاہدہ کر سکتی تھی۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ (۵ : ۶۶) یعنی اگر یہود و نصاریٰ تورات و انجیل اور وحیِ الٰہی کو کافی سمجھ کر ان کے اوامر کو قائم کرتے تو اوپر نیچے تمام جہات سے خدا کی نعمتوں کو سمیٹ لیتے اور دائماً پُرامن اور عیش کی زندگی بسر کرتے۔" بلکہ روئے زمین کے تمام خزانوں کو مسلمان اپنا لقمہ تر بنا لیتے۔ اور ہر جگہ اسلام کا طلوع و ثبات ہو جاتا۔ لیکن ذہنیت بدل گئی اور معیارِ عدل قائم نہ رہ سکا۔ روحِ انقلاب فوت ہو گئی اور ہر قسم کی ترقیوں کا زور ختم ہو گیا۔ دولتِ اسلامیہ کے دائرے کی وسعت محدود ہو کر رہ گئی — اور یہ تھا نتیجہ قرآن سے تغافل کا اور غیر قرآن پر ایمان لے آنے کا۔ (صفحہ ۴۹ تا ۵۰)

کیا قرآن کی عالمگیر تعلیمات کو آگے نہ بڑھانے میں عربوں کا ہاتھ تھا

قرآن سے برگشتگی اور بے رخی کے اصلی سازشی خود عرب ہی تھے نہ کہ عجم جیسا کہ آزاد خیال لوگوں کا ایک طبقہ مسلسل اس خیال کا اظہار کر رہا ہے[1]۔ دراصل جب تک کوئی قوم گمراہ ہونے کے لئے خود آمادہ نہ ہو خارجی عوامل ناکام رہ جاتے ہیں لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ (مائدہ — ۱۰۸) اور پھر عرب کو پاک و معصوم قرار دینا۔ یا دین کی حفاظت کا تنہا انہیں امین بنانا کہاں کی دانشمندی ہے۔ ؟ کیا اللہ کی بے پایاں رحمتوں اور علم و حکمت کے خزانوں کے دروازے عجم پر بند ہو گئے ؟ اور وہ ہر بات میں عرب ہی کے دریوزہ گر بن کر رہ گئے۔ ؟ ہمارے خیال میں عجم سے جو کچھ ہو سکا اس نے ایمان بالغیب سے لیکر دلائل و مشاہدات کے ذرائع تک

---

[1] "عجمی اسلام" کے تصور کی ابتدا علامہ اقبالؒ سے ہوتی ہے۔ اس سے بعض حضرات کو یہ دھوکا لگ جاتا ہے کہ علامہ مرحوم کے نزدیک اہلِ عرب نے اسلام کو سنوارا تھا اور اہلِ عجم نے اسے بگاڑا۔ حقیقت یہ ہے کہ عجم سے کسی خاص قوم یا خطۂ زمین کی طرف اشارہ نہیں۔ عرب سے ان کی مراد قرنِ اول کا خالص اسلام ہے اور عجم سے مراد وہ ملوث اسلام جو بالخصوص بنو عباس کے دور میں پیدا ہوا۔ چونکہ اس جدید اسلام کی تخلیق میں غیر عرب (اہلِ عجم) کا ہاتھ بہت زیادہ تھا اس لئے اسے عجمی اسلام کہہ کر پکارا گیا۔ اس سے یہ بات واضح ہو جائیگی کہ عربی اسلام سے اہلِ عرب کا اسلام اور عجمی اسلام سے اہلِ عجم کا اسلام مقصود نہیں۔ اس سے مقصود ہے خالص قرآنی اسلام اور غیر قرآنی تصورات کی آمیزش والا اسلام۔ طلوعِ اسلام میں یہ اصطلاحات انہی معنوں میں استعمال ہوتی ہیں نہ کہ اہلِ عرب کو اہلِ عجم پر فضیلت یا ترجیح دینے کی خاطر۔ اہلِ عرب نے اسلام کے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس کے کون ناواقف ہے۔ (طلوعِ اسلام)

اسلام کی خدمت کی اور جوں توں اس کے جھنڈے کو بلند رکھا!! اور یہ عرب ہی تھے جنہوں نے جاہلیت اولیٰ سے کام لے کر مدینہ پر چڑھائی کی حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی۔ حضرت عثمانؓ کو قتل کیا۔ حضرت عمرؓ اور علیؓ کو مارا۔ معاویہؓ اور علیؓ۔ حسینؓ اور یزید۔ علیؓ اور عائشہؓ میں پھوٹ ڈالی ابن جریج نے مکہ میں اور امام مالک نے مدینہ میں حدیثیں لکھیں۔ عرب قبائل نے اپنے مناقب اور مخالف کے مثالب میں احادیث جمع کریں۔ یہاں کسی بھی جگہ عجمی نظر نہیں آئے گا۔ البتہ جب عباسی دور آیا اور فلسفہ یونان نے عربی اثرات کو مٹانا چاہا تو اس وقت علم کلام کی ایجاد ہوئی جس میں عربوں کی بہ نسبت عجمی اہل علم و فضل نے قلم کے جوہر دکھائے اور قرآن کے لغات اور محاورے جمع کئے جس سے مجبوراً یونانی فلسفے کو ہزیمت اٹھانا پڑی۔ اور یہ اتنا عظیم کام تھا جو عربوں سے ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔ تاہم ہر گل کے ساتھ خار۔ ہر خوبی کے ساتھ عیب۔ ہر کمال کے ساتھ نقصان کا ہونا ایک اٹل اور فطری امر ہے وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ۔ عجم ہو خواہ عرب وہ ایسا لٹریچر پیدا ہی نہیں کر سکتے تھے جو کہ اختلاف رائے سے مبرا و منزہ ہو اور اختلاف رائے بشریت کا خاصہ ہے یا پھر یہ کہو کہ مسلمانوں نے مختلف ممالک کو فتح کر کے ایک نئے تمدن کی بنیاد ہی کیوں رکھی؟ اور فتح ممالک کا نتیجہ لازماً یہی ہو سکتا تھا کہ نئے خیالات نئے اخلاق نئے عقائد کی بے پناہ یلغار ہو۔ اب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ آپ ہر چیز کا ہر فن کا ہر علم کا ٹھیکا رکھتے پھریں اور کسی سے بھی استفادہ نہ کریں یہ تو تعطل محض اور خلق اللہ سے اعراض ہے۔ ہاں آپ جو مفید ہے اسے لے لیں اور جو مضر ہے اسے چھوڑ دیں عجم اگر سازشی ہے تو اسے پکڑ لیں۔ عرب اگر بے قصور ہے تو اس کا ساتھ دیں۔ لیکن یہ اسی صورت میں کہ ایسی سازش کا عرب خود بھی اعتراف کریں اور ساتھ ہی اعلانِ بیزاری۔ ورنہ معاملہ تو مدعی سست گواہ چست والا ہو جائے گا۔۔۔!! یاد رہے کہ شیعہ اور خارجی تحریکیں بھی عربی ہی تھیں۔ عجمی نہیں!!

شوریٰ کا اجتماعی اثر

امام علی رضی اللہ عنہ نے ثالث پر معاملہ اٹھا کر خلافت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا جس کا تاریخ اسلام پر گہرا اثر پڑا اور اسے بڑی اہمیت کا مقام حاصل ہے لیکن ہم اس کو ایک اور ہی نظر سے دیکھتے ہیں وہ یہ کہ آج تک تو مسلمانوں کے تمام معاملات حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی جناب اقدس سے فیصل ہوتے یا پھر ان صحابہ کرام کے باہمی مشورہ سے جو آنحضرتؐ کی بعثت سے تا حینِ حیات شرفِ صحبت تھے اور جنہیں اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ کا تمغہ ملا۔۔۔ یعنی جس بات پر یہ نفوس مقدسہ اتفاق کرتے اسے۔۔۔ امر (فرمان) نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذین معہ۔۔۔ سمجھا جاتا تھا۔ (ص ۸۵۶)

جماعت کی تعریف

جماعت سے مراد ایسی ہیئت حاکمہ اور مرکزیت ہے جسے قرآن کی روشنی میں تمام امور فیصل کرنے کا اختیار ہو اور ایسی جماعت السابقون الاوّلون من المهاجرين والانصار (۹:۱۰۰) پر مشتمل تھی جسے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنا قائم مقام بنایا تھا۔ یہ اس لئے کہ ان کی روح۔۔۔ روح نبوت میں فنا اور قلب و جگر فیض نبوت سے معمور ہو چکے

ؔلہ یہ بھی غلط ہے کہ عربوں نے اسلام کو تباہ کیا اور عجمیوں نے اس کی خدمت کی۔ دورِ عباسیہ میں اہلِ عجم نے جن تصورات کو عام کیا وہ غیر قرآنی تصورات تھے جنہیں وہ اپنے ذہنوں میں ساتھ لے کر آتے تھے۔ وہی تصورات بعد میں عین اسلام بن گئے۔ عربوں نے بیشتر اسلام کی سیاست کو نقصان پہنچایا تھا۔ عجمیوں نے اس کے تصورات اور نظریات ہی کو بدل دیا۔ اور ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ ان دونوں تبدیلیوں میں سے کونسی تبدیلی زیادہ مضرت رساں ہوتی ہے۔ (طلوع اسلام)

تھے۔ پس ایسی جماعت کے تمام امور کی نسبت حضرت نبی کریمؐ کی طرف کرنا حقیقی کہلائے گی بالخصوص اس لئے بھی کہ۔ اس جماعت کی سیرت حضرت نبی کریمؐ کے بعد بھی نہیں بدلی (رحمن وقت اوائل السور صفحہ)

روح نبوت پس جب نبوت محمد مصطفیٰؐ پر ختم ہو گئی تو لازم تھا کہ روح نبوت باقی رہ جائے اور نبوت کا معراج کمال۔ کتاب اللہ الکریم ہے جسے ابدالآباد تک امت کریمہ سنبھالے رکھے گی۔ اور جب بھی اسلامی مجتمع کو تجدید کی ضرورت پیش آسکتی تو یہ کتاب اللہ۔ ہی اس مشکل کو حل کرے گی۔ (صفحہ ۱۴۳)

رسُل کون ہیں؟ یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ؕ (۲۳—۵۱) اس آیت کریمہ میں نبی کریمؐ اور اُمت سے یکساں خطاب ہے۔ امت کو نبی سے متصل اس لئے ذکر کیا ہے کہ وہ وارث نبی ہونے کے اعتبار سے دنیا کی دیگر اقوام کی طرف "رسُل" ہے اور نبی کی رسالت بقائے قرآن کے ساتھ ابد تک رہے گی کیونکہ انسانی (قرآن کو قائم رکھنے) اور پہنچانے کا سلسلہ غیر منقطع ہوگا۔ پس آیہ کریمہ میں (حضرت) صدیقؓ، فاروقؓ اور عثمانؓ تک کے زمانے کے صحابہ کو "رسل" کہا گیا ہے۔ اور سورۂ آل عمران میں ہے کہ "وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَیْبِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ" (۳—۱۷۹) یہاں بھی رسُل سے مراد صحابہ کی جماعت ہے۔ اسی طرح سورۂ مجادلہ میں كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ (۲۱) میں بھی رسل صحابہ کرام ہی تھے۔ نیز سورۂ صافات میں وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ ۚۖ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۪ وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (۱۷۱—۱۷۳) میں عبادنا المرسلین سے مراد، جماعت صحابہ رضوان اللہ علیہم ہے۔ اس کے علاوہ آیات ذیل میں بھی رسُل یعنی جماعت صحابہ آیا ہے (الف) اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (۴۰—۵۱) اور (ب) وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ یہ رسل وہ لوگ تھے جنہیں زمانہ بعثت سے سنہ ۳۵ھ تک جماعت النبی و صحابۃ النبی کے لقب سے پکارا جاتا رہا[1]۔

طیّبات کیا ہے؟ یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ میں طیبات سے مراد روئے زمین کے وہ خزانے ہیں جنہیں حضرات صدیقؓ و فاروقؓ اور عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے تک صحابہ کرام نے دنیا کی مختلف سلطنتوں سے حاصل کیا تھا (صفحہ ۵۹—۶۰)

الائمۃ من قریش تعجب ہے کہ جمال الدین افغانی باایں ہمہ عقل و دانش یہ خیال کرتے تھے کہ خلافت قریش کا حق ہے۔؟ حالانکہ یہ عقیدہ نہایت کمزور اور بعید گمراہ کن ہے (صفحہ ۶۹) خلافت اسلامیہ کے لئے قرشیت کی شرط بالکل غلط اور وہم ہے۔ جسے اہل کلام کے دماغ میں جگہ ملی تھی۔ (صفحہ ۹۰)

---

[1] اگر یہ سلسلہ ۳۵ھ تک جاری تھا تو معلوم نہیں اوپر اسے حضرت عثمانؓ تک محدود کیوں رکھا گیا ہے۔ (طلوع اسلام)

متشابہات

تشابہ و متشابہ "شبہ" سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں "ملتا جلتا، مشابہ" جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا اشتقاق "شُبہۃ" ہے (جس کے معنی ہیں گڈمڈ ہونا، التباس و اختلاط) سو وہ غلطی پر ہیں، متشابہ کا اطلاق خود قرآن مجید کے ایک حصہ پر بھی ہوا ہے (صفحہ ۳۸) ہر کلام بیان سے پہلے متشابہ ہے مگر بیان (وضاحت) کے بعد متشابہ نہیں رہتا۔ اور کتاب اللہ میں ایسے متشابہ کی مثال نہیں ملتی جس کے بعد یا متصل اس کا بیان نہ ملتا ہو۔ لہٰذا ادلہ شرعیہ میں کسی قسم کا اشتباہ، التباس نہیں ہے۔ ہاں البتہ جب کسی کلام میں ملتی جلتی "بات پائی جائے تو ایسے مقام پر غالب تر، لوگوں کے افکار و نظریات کا اختلاف ہو جاتا ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ کلام الٰہی کسی کے فکر و نظر کے اختلاف کا ذمہ دار نہیں ہے۔ پس ایسا اختلاف وضع قدری کہلائے گا نہ کہ وضع شرعی۔ لہٰذا شارع کی طرف سے اختلاف نہیں ہو سکتا۔ (صفحہ ۳۹)

اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے علوم بھی ہیں جو کہ انسانی وسعت و ادراک سے خارج ہیں ۔۔۔ اس عالم کون اور کتاب اللہ میں ظاہر باہر آیات ہیں جو محکم و متشابہ کی ذیل میں آتی ہیں۔ اور یہ معلوم ہے کہ کتاب اللہ۔ نوع بشر کو فکر و تدبر کی دعوت دیتی ہے تاکہ ان مظاہر فطرت اور محکم و متشابہ آیاتِ الٰہی کو سمجھے اور سیکھے اور یہ بھی معلوم ہے کہ کتاب اللہ کی ہر آیت کا بیان موجود ہے جسے غور و فکر سے سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی، لہٰذا کلام الٰہی میں (اصطلاحی) اشتباہ نہیں رہا۔ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (صفحہ ۵۳)

پس کسی کے لئے یہ روا نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی چیز کے وصف یا کیفیت کے سمجھنے سے عاجزی و بے بسی کا اظہار کر کے اصل ہی سے اعراض کر دے؟ کیونکہ ایسا بہانہ تلاش کر کے اصل سے انکار کرنا تعطل کہلاتا ہے اور حقائق جو نفس الامر میں ثابت و کائن اور ممکن ہیں ان کو معطل قرار دینا ان نصوص ثابتہ کا انکار ہے جو لسان شارع سے کتاب اللہ میں محفوظ ہوئیں (صفحہ ۱۱۱)

لہو الحدیث

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ یعنی لوگ ایسے بھی ہیں جو لہو الحدیث سے دلچسپی لیتے ہیں:

ہر وہ قانون خواہ اس کی ظاہری صورت "دین" کی سی ہو اجتماعیت کی حکمت سے اگر خالی ہے تو وہ لہو الحدیث ہے۔ کیونکہ ایسا دین امراء و سلاطین اور بندگان خواہشات نفسانی کے لئے ذریعہ تکمیل خواہشات بن کر کھلونا بن جاتا ہے بلکہ حسب ضرورت علماء و مشائخ بھی اسے استعمال کر لیتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ جب اس نوع کے انسانوں کے سامنے صحیح دین پیش کرو تو کفار کی معاندت و مخالفت سے بڑھ کر ان کی مخاصمت شروع ہو جاتی ہے اور وہ موافقت کے بجائے مخالفت پر تل جاتے ہیں۔ (صفحہ ۱۶۳ تا ۱۶۴)

لہو الحدیث کے متعلق قول فیصل یہ ہے کہ ہر وہ علم اور ہر وہ شے جو کسی مفید مقصد سے خالی ہو وہ لہو الحدیث ہے وہ گمراہی کا ذریعہ اور سچے دین پر مذاق اڑانے کا باعث ہے (صفحہ ۱۶۴ تا ۱۶۵)

علمائے ہند

ہم نے علمائے اسلام خصوصاً علمائے ہند کی حالت زار دیکھی ہے کہ ان کی توتیں ضعف و اضمحلال میں تبدیل ہو گئی ہیں جس کی وجہ سے عامۃ الناس کے دلوں میں ان کا احترام نہیں پایا جاتا۔ اور یہی وجہ ہوئی دین کے احترام اور اثر کے

جاتے رہنے کی - یہ اس لئے ہوا کہ تمام علماء کسی ایک مسئلہ پر بھی متفق نہیں ہوئے (صفحہ ۱۶۴)

آخرت کا مفہوم قرآن کریم عقل انسانی کو عاقبت اور آخرت پر غور کرنے کی ہدایت و تلقین فرماتا ہے - اور عاقبت یا آخرت دراصل - نتیجہ کار و انجام امور کو کہا جاتا ہے - وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (صفحہ ۵۲)

سنت اللہ کی بنیاد سُنت اللہ کی بنیاد - بلکہ اعلیٰ ترین سُنت - عمدہ ترین سُنت - اور تمام تعلیمات کا سرچشمہ کتاب الٰہی القرآن المجید ہے جو کہ مصاحف مقدسہ - مرفوعہ مطہرہ - میں محفوظ ہے - جیسے بلند شان ہستیاں تھامے ہوئی ہیں - جو اہل علم کے سینوں میں امت کریمہ کے قلوب میں خدا کی حفاظت سے محفوظ و راسخ ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (۱۵-۹) (کتاب و سنت صفحہ ۶۰۶)

ہیں آج کیوں ذلیل جو کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں

اس اہم سوال کا بصیرت افروز جواب — کیلئے دیکھئے — اسبابِ زوالِ امت - اپنے موضوع پر ایک ہی کتاب قیمت ۲/-

سینکڑوں باتیں

ایسی ہیں جنھیں ہم یہ سمجھ کر کرتے ہیں کہ وہ اسلام کے مطابق ہیں - لیکن درحقیقت وہ غیر قرآنی ہوتی ہیں - ان باتوں کی ایک جھلک دیکھنی ہو تو — قرآنی فیصلے — ملاحظہ کیجئے جس میں بہت سے مسائل زیر بحث آ گئے ہیں - قیمت ۴/-

عورتوں کے حقوق

کیا ہیں اور ان کے فرائض کیا - قرآن نے انھیں معاشرہ میں کونسا مقام عطا کیا ہے - ان تمام امور کے متعلق

طاہرہ کے نام خطوط (ہر دو جلدیں)

دیکھئے - اس میں سلیس - سادہ اور دلکش انداز میں مختلف موضوعات کو سامنے لایا گیا ہے - اس انداز کی دوسری کتاب آپ کو کہیں نہیں ملے گی — قیمت جلد اول ۲/- جلد دوم ۲/۸/-

علامہ اقبالؒ نے

جو کچھ قرآن سے سمجھا اور جو کچھ سمجھایا قرآن سے سمجھایا — اس اجمال کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے -

اقبال اور قرآن

قیمت —— ۲/-

ملنے کا پتہ:- ناظم ادارہ طلوع اسلام ۲۵ - بی گلبرگ لاہور

رابطۂ باہمی

ماہانہ رپورٹیں

۲۰ نومبر تک صرف ایک بزم کی مجمل رپورٹ موصول ہوئی ہے۔ گذشتہ ماہ چار بزموں کی رپورٹیں آئی تھیں لیکن عدم گنجائش کی وجہ سے وہ نومبر کے طلوعِ اسلام میں شائع نہیں ہو سکی تھیں۔

ارکان بزم کو چاہیئے کہ وہ رپورٹ کے معاملہ میں زیادہ دلچسپی لیں۔ اور جب کبھی رپورٹ بروقت نہ بھیجی جائے تو نمائندہ سے بازپرس کریں۔ رپورٹ کی بروقت ترسیل یہ احتیاطیوں کی جا سکتی ہے کہ دس اور پندرہ تاریخوں کے درمیان بزم کا جو جلسہ ہو اس میں تیار شدہ ماہانہ رپورٹ نمائندہ پڑھ کر سنائے اور جلسے کے اختتام پر اسے فوراً اسپرد ڈاک کر دے۔

بالعموم رپورٹیں مجمل ہوتی ہیں جن سے خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوتا اس لئے رپورٹ تیار کرنے میں نمائندگان حسب ذیل امور کا خیال رکھیں اور انھیں رپورٹ میں ضرور شامل کریں:-

(ا) بزم کے اہم فیصلے

(ب) قرآنی فکر کی نشر و اشاعت میں کوشش کی تفصیلات بذریعہ اعداد و شمار۔ مثلاً کتنے نئے اصحاب کو دعوت دی گئی۔ کتنے رسالے پمفلٹ وغیرہ تقسیم کئے گئے۔ کتنے لوگوں کو کتابیں پڑھنے کے لئے دی گئیں وغیرہ وغیرہ

(ج) متفرق اہم اطلاعات۔

نئی بزموں کا قیام

بہت سے مقامات میں بزمیں تا حال قائم نہیں ہوئی ہیں۔ وقت کا تقاضا ہے کہ اس کمی کو جلد از جلد پورا کرنے کی کوشش فوراً شروع کر دی جائے۔ یہ کام طلوعِ اسلام کے پڑھنے والوں کے ہاتھوں آسانی سے ہو سکتا ہے۔ انھیں چاہیئے کہ وہ مقامی قارئین سے باہمی میل جول پیدا کریں اور ہم خیال اصحاب کو یکجا جمع ہونے کا موقع بہم پہنچائیں اگر مقامی خریداروں کے نام اور پتے درکار ہوں تو انھیں ادارہ سے طلب کیا جا سکتا ہے۔ یہ اطلاع قریبی بزم کی وساطت سے مہیا کر دی جائیگی۔ بزم کی رکنیت کے فارم بھی ادارہ سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ فارم پر اصولی ہدایات برائے نظم و ضبط بزمہائے طلوعِ اسلام چھپی ہوئی ہیں۔

لائل پور کا ایک اجتماع

پرنسپل صاحب، گورنمنٹ کالج، لائل پور، کے دعوت نامہ کے مطابق، محترم پرویز صاحب، چند احباب کی معیت میں، ۱۶ نومبر کی شام لائل پور پہنچے۔ ۱۷ کی صبح (گیارہ بجے کے قریب) کالج کے ہال میں تقریر تھی۔ عنوان تھا "علم کا تصور قرآن کی رو سے" پرنسپل صاحب نے جلسہ کا انتظام نہایت عمدگی اور خوش اسلوبی سے کر رکھا تھا۔ صدارت کے فرائض، محترم علاء الدین صاحب ارشد (سابق ڈپٹی کمشنر، وحال، سکریٹری کوہ نور مل۔ لائل پور) نے سرانجام دیئے۔ پرویز صاحب کی تقریر چونکہ طویل تھی اور اُسے ضبط تحریر میں بھی نہیں لایا گیا، اس لئے اُسے یہاں درج نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ صاحب صدر کی تعارفی تقریر درج ذیل کی جاتی ہے۔ انہوں نے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

محترم پرنسپل صاحب۔ عزیز طلبائے کالج اور معزز حاضرین۔

میں کالج کے پرنسپل صاحب کا ممنون ہوں۔ کہ انہوں نے اپنے علمی جلسے کی صدارت کے لئے مجھے مدعو کیا۔ بطور صدر میرا یہ خوشگوار فرض ہے۔ کہ میں معزز مہمان کا تعارف آپ سے کراؤں۔ اگرچہ محترم غلام احمد پرویز کی ذات گرامی۔ ان کی علمی قابلیت۔ کسی لمبے تعارف کی محتاج نہیں۔ مگر ان اصحاب کی واقفیت کے لئے جنہیں ان کی تصانیف کے مطالعہ یا ان کی تقریر سننے کا اتفاق نہیں ہوا۔ چند تعارفی الفاظ ضروری ہیں۔

حضرات! ہمارا دور جو علوم سائنس کی ترقی اور کئی دیگر وجوہات سے مشہور ہے۔ اس اعتبار سے بھی خوش نصیب ہے۔ کہ اس میں پھر سے قرآن حکیم کی آواز بلند ہوئی۔ اس نیک کام میں جن اصحاب نے حصہ لیا ان میں بہت سی ہستیوں کے نام فخر و مسرت سے لئے جا سکتے ہیں۔ لیکن جس انداز سے علامہ اقبال نے قرآنی انقلاب کی آواز سے فضا کو معمور کیا اس کا جواب نہیں ملتا۔ مبداء فیض کی کرم گستری سے انہیں نظر کی وسعت۔ فکر کی بلندی اور جذبات کی گہرائی کے ساتھ ایک نہایت حسین اور دلکش اسلوب بیان عطا ہوا تھا۔ علامہ نے مثنوی اسرار و رموز میں اس حقیقت کا اعلان کیا۔ کہ انہوں نے جو کچھ سمجھا۔ قرآن سے سمجھا۔ اور ان کی شاعری کا مقصود یہ ہے کہ وہ قرآنی پیغام کو لوگوں تک پہنچا سکیں۔ انہوں نے اپنی مسلسل سعی و کاوش۔ اور سوز پیہم سے ہمارے دور کے ارباب فکر و نظر کا رُخ قرآن کی طرف موڑ دیا۔ اور رجعت اِلی القرآن کی سعی مسلسل کی۔ علامہ جہاں کہیں قرآن کریم کا ذکر کرتے ہیں، وجد مسرت سے جھوم اٹھتے ہیں۔ یہ موقعہ طویل اقتباسات کا نہیں ہے۔ مگر چند اشعار پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

تو ہمی دانی کہ آئینِ تو چیست　　　زیرِ گردوں سرِ تمکینِ تو چیست
آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم　　　حکمتِ او لایزال است و قدیم
نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات　　　بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
فاش گویم آنچہ در دل مضمر است　　　ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود　　　جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود

حضرات ۔ قرآن کی آواز بلند کرنے والوں میں علامہ اقبال کا نام سرفہرست نظر آتا ہے ۔ جن اصحاب نے اقبال کے اس قرآنی پیغام کو صحیح طور پر سمجھا ۔ اور اپنی محنت و کاوش سے اس کتاب جلیل کا گہری نظر سے مطالعہ کر کے اسے آگے پھیلایا ۔ ان میں محترم پرویز کا نام بھی سرعنوان دکھائی دیتا ہے وہ زاید از ربع صدی سے مسلسل اس فکر کی نشر و اشاعت اور اس پیغام کی تشریح و تفسیر میں مصروف ہیں ۔ ان کی ضخیم مجلدات ۔ طلوع اسلام کے ہزارہا صفحات ۔ مختلف اجتماعات میں ان کی سحر آفریں تقاریر ان کی سعی و کاوش کی زندہ شہادت ہیں ۔ ان کی خواہش و کوشش ہے ۔ کہ علوم قدیمہ اور جدیدہ کی روشنی میں قرآن حکیم کے مطالب کو مشہود کریں ۔ ان کی تمام کتابیں اصحاب فکر و نظر اور دینی رہنماؤں کے لئے قابل مطالعہ ہیں ۔ مگر ایک کتاب جس کے مطالعہ کی میں تمام اصحاب سے خاص طور پر استدعا کروں گا وہ "معراج انسانیت" ہے ۔ یہ قریب ساڑھے آٹھ سو صفحات کی کتاب سیرت ہے رسول اکرم کی قرآن کے آئینہ میں ۔ محترم پرویز کی دو جدید تصانیف "قرآنی لغت" اور "قرآنی مفہوم" ہیں ۔ جو مکمل ہو چکی ہیں ۔ اور جن کی طباعت کا انتظام ہو رہا ہے ۔ اہل ذوق کو ان کتابوں کا شدت سے انتظار ہے ۔۔۔ ان کے اپنے الفاظ ہیں ۔ ان کی ساری کوششوں کا منتہیٰ یہ ہے کہ خداوند عظیم و جلیل کی اس عظیم اور جلیل کتاب کو اس طرح واضح طور پر سامنے لایا جاوے کہ فہمیدہ طبقہ کے دل میں جذباتی طور پر نہیں بلکہ عقلی وجوہ سے یقینی تاثر یہ ہو کہ یہ کتاب

(۱) ایسی ہے ۔ جس میں کوئی تضاد اور تخالف نہیں اور اس سے نہ صرف اُمت مسلمہ کے بلکہ تمام نوعِ انسانی کے اختلافات مٹ سکتے ہیں ۔

(۲) اس کی آیات میں آسمان کے تاروں کی طرح باہمی ربط و ضبط ہے ۔

(۳) یہ مکمل ہے اور تمام مسائل حیات (Problems of Life) کا حل اپنے اندر رکھتی ہے ۔

(۴) یہ صاف اور واضح ہے ۔ اور اس میں کسی قسم کی کوئی پیچیدگی اور الجھاؤ نہیں ۔

(۵) یہ کتاب ہر انسان کو غور و فکر کی دعوت دیتی ہے اور جو شخص اسے اس کے بتائے ہوئے قاعدوں کے مطابق سمجھنے کی کوشش کرے اس کے سامنے اپنے حقایق کو بے نقاب کر دیتی ہے ۔

قاری کا جب اس کتاب کے متعلق یہ ردعمل یا تاثر ہو گا تو وہ اس پر لامحالہ غور و فکر کرے گا ۔ اور جب وہ تدبر اور تفکر سے کام لے گا ۔ تو اس کے ہر دعوے پر علیٰ وجہ البصیرت ایمان لاتا چلا جاوے گا ۔

کتنی حسین ہے یہ آرزو اور تمنا ۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو کامیاب کرے ۔

حضرات ۔ آج کی تقریر کا موضوع ایک کالج کے علمی اجتماع کی مناسبت سے ہے " علم قرآن کی روشنی میں " میں آپ کے شوق کو زیادہ انتظار میں نہ رکھتے ہوئے محترم مہمان سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ حاضرین سے خطاب فرمادیں ۔

تقریر کے بعد بعض ارباب ذوق کی طرف سے چند وضاحتی سوالات ہوئے جن کا جواب دیا گیا ۔ اس کے بعد جلسہ حسن و خوبی سے

اختتام پذیر ہوا۔

واپسی سے قبل، بزم طلوعِ اسلام، لائل پور کے اراکین، نیز چنیوٹ اور سمندری کے احباب پر مشتمل ایک مختصر لیکن بڑی جاذب نجی محفل میں قرآنی فکر کے متعلق مختلف موضوعات پر بات چیت ہوتی رہی۔ سہ پہر وہاں سے واپسی ہوئی۔

ہم چنیوٹ۔ سمندری۔ اور لائل پور کے احباب کے علاوہ، محترم سردار محمد یعقوب خان صاحب (ایڈووکیٹ) اور محترم علاؤالدین ارشد صاحب، کے دلی شکر گذار ہیں کہ انھوں نے اپنی مہمان نوازی سے احباب کے قلوب پر اپنی محبت اور خلوص کا گہرا اثر چھوڑا۔

علامہ اسلم جیراجپوری (رح) کی

شہرۂ آفاق کتاب

تاریخ الامّت

کا آٹھواں (اور آخری) حصہ بھی شائع ہو گیا ہے۔

اس میں مسلمانوں کی تیرہ سو سالہ تاریخ پر قرآن کریم کی روشنی میں تبصرہ کیا گیا ہے

اسی سے آپ کتاب کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ لگا لیجیے۔

ضخامت ۲۰۰ صفحات۔ قیمت -/۸/ ۲

تاریخ الامت کے مکمل سیٹ (آٹھ جلدوں) کی قیمت ۱۹ روپے آٹھ آنے

(علاوہ محصول ڈاک)

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام

۲۵۔ بی گل برگ کالونی لاہور

انتہائی کم قیمت پر بہترین کپڑا

96000

- اعلیٰ درجہ کی سفید شرٹنگ
- مُرغا چھاپ سفید شرٹنگ
- دل چھاپ ساٹن ڈرل وغیرہ

میسرز علی محمد اسمٰعیل A/S 39 مول جی جیٹھا مارکیٹ۔ کراچی

نیز

اسٹال :- مل اونرز ریٹیل کلاتھ مارکیٹ پرانی نمایش بندر روڈ ایکس ٹینشن کراچی سے بھی مل سکتا ہے

داؤد کاٹن ملز لمیٹڈ کراچی

تنزیل بہ معنے ترتیب کی دوسری آیات سے بھی شہادت ملتی ہے۔ دیکھو آیات ذیل

(۵) وَ يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۲۵/۲۶-۲۴ پ ۲۶ ع ۲

جس دن پھٹ جائے گا آسمان ساتھ بادلوں کے اور ملائکہ ترتیب وار قائم ہوں گے۔

(۶) يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۷۸/۳۸ پ ۳۰ ع ۲

جس دن روح اور ملائکہ ترتیب وار قائم ہوں گے۔

آیت نمبر (۵) میں ذکر قیامت کے سلسلہ میں تنزیلِ ملائکہ کا ذکر ہے۔

آیت نمبر (۶) میں تنزیل کی تفسیر صَفًّا سے کی گئی۔ یعنی قیامت کے دن ملائکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں صف بستہ (ترتیب وار) کھڑے ہوں گے۔

لغت میں بھی تنزیل کے معنے ترتیب دینے کے ہیں دیکھو منتہی الارب۔

آیات نمبر ۱ تا ۳، میں اس کتاب (قرآن مجید) کی تنزیل (مواصلت با ترتیب) کو اس ذاتِ پاک کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

ا۔ جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو ایک خاص ترتیب میں پیدا کیا ہے۔

ب۔ جس نے ہمیشہ اہلِ عالم کی تربیت کی ہے اور جو آئندہ تربیت کرے گا۔

ج جو سب پر غالب اور کامل حکمت والا ہے۔

بعض منکرین خیال کرتے تھے کہ یہ قرآن مجید جناب خاتم النبیین کا اپنا بنایا ہوا اور اپنا ترتیب دیا ہوا ہے، آیت نمبر (۲) میں صاف طور پر اس امر کی تردید کی گئی ہے اور بتلایا گیا کہ یہ قرآن مجید اس رسول کا اپنا بنایا ہوا نہیں، بلکہ اس کی تنزیل (ترتیب) رب العلمین کی طرف سے ہے۔

آیت نمبر (۱) میں بیان ہوا ہے کہ آیات کی ترتیب سے وہ لوگ مستفید ہوتے ہیں جن کے دلوں میں خشیت (ڈر) ہے دوسرے مقام پر ارشاد ہوا ہے کہ خشیت عالمانِ کتاب اللہ کا حصہ ہے۔ دیکھو آیت ذیل

(۷) اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۳۵/۲۸ پ ۲۲ ع ۱۶

اللہ سے اس کے بندوں میں سے صرف علما ڈرتے ہیں۔

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ حلِ مطالب کے لئے آیات کا باہمی ربط بجائے خود ایک تفسیر ہے، جس پر دوسری تفسیری آیات سے مزید روشنی پڑتی ہے۔ ان ہر دو معیار کو نظر انداز کرنے کی صورت میں انسان بمشکل کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ کتاب اللہ کے تحقیقی علم حاصل کرنے کا راز یہی ہے، کہ ترتیب آیات سے نصیحت حاصل کی جائے اور تفسیری آیات سے بصیرت کو بڑھایا جائے۔

طریق دوم

اس میں وہ آیتیں درج ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید باوجود متفرق طور پر نازل ہونے کے باترتیب رکھا جاتا تھا۔

(۱) وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ نَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۱۷ پ ۱۵ ع ۱۲

اور یہ قرآن کہ بیان کیا ہم نے اِس کو اس کی غرض یہ ہے کہ (اے رسول) تو اس کو لوگوں پر وقفہ سے پڑھے اور ہم نے اس کو خاص ترتیب میں کر دیا ہے۔

(۲) وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۳۲ پ ۱۹ ع ۱

کہا ان لوگوں نے کہ کافر ہوئے کیوں نہ اس رسول پر سارا قرآن ایک بار نازل ہوا اسی طرح ہم نے اس کو اتارا ہے تاکہ ہم اس سے تیرے دل کو مضبوط رکھیں اور ہم نے اس کو خاص ترتیب میں تالیف کیا ہے۔

آیات نمبر ۱ و ۲ کے پہلے حصوں میں صاف طور پر بتلایا گیا ہے کہ قرآن مجید ایک ہی دفعہ نازل نہیں ہوا، اور اس کے متفرق طور پر نزول کی اغراض حسب ذیل ہیں۔

اول جناب خاتم النبیین جماعت مخاطبین کو آسانی کے ساتھ قرآن مجید سنا سکیں اور سامعین آسانی کے ساتھ اس کو محفوظ رکھ سکیں۔

دوم جناب ممدوح کے لوح دل پر کلمات اللہ کا نقش ہو جائے۔ تاکہ ہر وقت اور ہر حال میں تبلیغ وحی پر قادر ہوں۔

اس کے بعد دونوں آیتوں کے پچھلے حصوں میں الفاظ تَنْزِیْل اور ترتیل واقع ہوئے ہیں، دونوں آیتیں مختلف انداز میں ایک ہی مفہوم مذکورہ بالا کو ظاہر کرتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ لفظ تَنْزِیْل اور ترتیل ہم معنی ہیں، اور ان سے قرآن مجید کی ترتیب و تالیف مراد ہے جس کو دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔

تَنْزِیْل کے معنی کی تشریح طریق اول میں ہو چکی ہے۔ ترتیل کے معنی لغت میں اس طرح مرقوم ہیں، نیکو تالیف نمودن دیکھو منتہی الارب۔ صاحب قاموس نے اس معنی کو اور بھی واضح الفاظ میں ادا کیا ہے۔ یعنی فقرہ عرب رتل الکلام ترتیلا کے معنی ہیں احسن تالیفہ۔ (اس نے اس کو اچھی طرح ترتیب دیا۔

قرآن مجید اگر ایک ہی دفعہ اہل عالم کے روبرو پیش کیا جاتا تو اس کی ترتیب کی نسبت کوئی سوال پیدا نہ ہوتا، مگر چونکہ اس وحی رب العالمین کو وقتاً فوقتاً سنایا گیا، اس واسطے اس کی ترتیب کا سوال بھی پیدا ہو گیا جس کا فیصل کرنا قرآن مجید کے لئے لازم تھا، کیونکہ آیات کی مواصلت اور ترتیب سے جو مضامین پیدا ہوتے ہیں ان کا قطعی الدلالت (یقینی) ہونا اسی سوال کے فیصلہ پر

منحصر تھا۔

آیات نمبر (۱ و ۲) نے اس سوال کو احسن طور پر فیصل کر دیا کہ قرآن مجید گو متفرق طور پر نازل ہوا ہے پھر بھی اس کی ترتیب اور تالیف من جانب اللہ ہے۔ یعنی سلسلۂ ترتیب آیات سے جو مضامین پیدا ہوتے ہیں وہ ایسے ہی یقینی ہیں جیسے ایک آیت کا اندرونی مضمون۔

طریق سوم

اس میں وہ آیتیں درج ہیں جن میں قرآن مجید کی ترتیب کی تبدیلی پر وعید مرقوم ہے

(۱) وَ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۱۶ پ ۱۱ ع،

اور جب ان پر ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں، وہ لوگ جو ہمارے ملنے کی امید نہیں رکھتے کہتے ہیں اس کے سوا ایک اور قرآن لا، یا اس کو بدل ڈال کہہ دے (اے رسول) مجھ سے نہیں ہوگا کہ میں اپنی طرف سے بدل دوں، میں پیروی نہیں کرتا مگر اس کی جو میری طرف وحی کی گئی ہے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

ایک جماعت نے جو بَعْدَ الْمَوْتِ (قیامت) کی منکر تھی، جناب خاتم النبیین کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ وہ اس نسخۂ قرآن مجید کو پسند نہیں کرتے جو دربار رسالت میں موجود ہے، اور چاہتے ہیں کہ

ا۔ اس کو کسی اور صورت میں کر دیا جائے جو موجودہ شکل کے مغائر ہو یا

ب۔ اس میں کچھ تبدیلی کی جائے۔

اس کا جواب اس طرح پر دیا گیا کہ

اول قرآن مجید میں کسی قسم کی اپنی طرف سے تبدیلی کرنا منصب رسالت کے خلاف ہے۔

دوم قرآن مجید کے متعلق ہر ایک امر میں (تبلیغ ہو یا جمعیت یا ترتیب) صرف اللہ تعالیٰ کی وحی کا اتباع کیا جاتا ہے۔

سوم ان امور کی خلاف ورزی میں عذاب قیامت تیار ہے۔

یہ آیت صاف اور صریح شہادت اس امر کی ہے کہ قرآن مجید کی ترتیب بذریعۂ وحی ہوئی اور اس ترتیب میں کسی قسم کی مداخلت خود جناب ممدوح کی طرف سے بھی نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس آیت میں ہر ایک قسم کی تبدیلی کو گناہ قرار دیا گیا ہے جس کی

پاداش میں مرتکب کے لئے قیامت کا عذاب ہے۔

قطع نظر اس کے کسی رسول رب العالمین کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ امور متعلقہ رسالت میں اپنی طرف سے کسی قسم کی مداخلت کرے۔ دیکھو آیات ذیل

(۲) وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۱۳/۳۹ پ ۱۳ ع ۱۲

اور نہیں لائق کسی رسول کے واسطے یہ کہ کوئی آیت لائے مگر اللہ کے اذن سے۔

(۳) وَمَا كَانَ لَنَا اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۱۴/۱۱ پ ۱۳ ع ۱۲

(کہا رسولوں نے) ہمارے لائق نہیں ہے کہ ہم تمھارے پاس کوئی دلیل (آیت) لائیں مگر اللہ کے حکم سے

(۴) فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۱۶/۳۵ پ ۱۴ ع ۱۱

پھر رسولوں کا کچھ ذمہ نہیں ہے بجز صاف صاف (حکم) پہنچا دینے کے۔

یہ آیتیں رسالت الٰہی کے اعلیٰ منصب کی کیفیت ظاہر کرتی ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کا رسول جس آیت کو لاتا ہے اور جس محل پر لاتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے لاتا ہے۔

طلوع اسلام

اس مقام پر ایک نکتہ کی وضاحت ضروری ہے۔ جو لوگ وحی جلی (یا متلو) کے علاوہ وحی خفی (غیر متلو) کے بھی قائل ہیں وہ کہا کرتے ہیں کہ اگر ترتیب قرآن وحی کے مطابق ہوئی تھی تو بتلائیے کہ وہ وحی کہاں درج ہے۔ اور اس سے نتیجہ نکالتے ہیں کہ وہ وحی، وحی خفی تھی۔

لیکن اگر بادنیٰ تامل غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اس مقصد کے لئے وحی کے کسی جگہ درج کئے جانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ وحی اللہ کی طرف سے جبریل کی وساطت سے آتی تھی۔ جبریل امین کچھ آیات لائے اور حضورؐ سے کہہ دیا کہ یہ آیات فلاں سورت میں فلاں مقام پر رکھی جائیں گی۔ آپ نے انھیں ان مقام پر رکھ دیا۔ سوچئے کہ اس کے بعد وحی کے اس فقرے کو (کہ ان آیات کو فلاں مقام پر رکھا جائے گا) کہیں الگ درج کرنے کی بھی ضرورت تھی؟ یہ ایسی صاف اور سادہ بات ہے کہ اس کی تشریح وتفسیر میں زیادہ لکھنے کی ضرورت ہی نہیں۔

فصل ہشتم

دربار رسالت میں قرآن مجید کا ایک جامع اور مرتب نسخہ ہر وقت موجود رہتا تھا۔

قرآن مجید کی بہت سی آیتیں اُس کے مطالعہ کرنے والے کو آسانی کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچا دیتی ہیں، کہ اس کتاب کا جس قدر حصہ وقتاً فوقتاً نازل ہوتا تھا وہ بطور اصل جامع نسخہ کے بارگاہ رسالت میں ہر وقت موجود رہتا تھا۔

چنانچہ جب خاتم النبیین نے سب سے پہلے جس کتاب پر خود ایمان لانے کا اعلان فرمایا وہ وہی نسخہ قرآن مجید تھا جو بطور اصل کتاب کے دربار نبوی میں موجود تھا اور جس کی نقول مومنین کے پاس تھیں، پھر عام مومنین کو اُسی کتاب پر ایمان لانے کی دعوت فرمائی۔ پھر اُسی کتاب کو نصاب تعلیم مقرر فرما کر خواندہ جماعت میں بذات اقدس اس کی تعلیم کا سلسلہ جاری فرمایا۔

وعظ و تذکیر کے وقت وہی کتاب جناب ممدوح کی رفیق ہوتی تھی، مخالفین کو نہایت دلیری اور آزادی کے ساتھ اسی کتاب پر تدبر اور تفکر کے واسطے اُکسایا جاتا تھا، اُسی کتاب کو ہمیشہ مفصل اور جامع ظاہر فرمایا جاتا تھا۔

ان تمام امور کے متعلق قرآن مجید میں شہادتیں موجود ہیں جن کو آسانی کی غرض سے مختصراً علیحدہ علیحدہ ضمنوں میں بیان کیا جائے گا۔

پہلا ضمن

وہ آیات جن میں خود جناب خاتم النبیینؐ کے ایمان بالکتاب کا بیان ہے۔

(۱) اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ ۲۸۵/۲ پ ۳ ع ۸

ایمان لایا یہ رسول اُس کتاب پر جو اس پر اس کے رب کی طرف سے نازل کی گئی۔

(۲) اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ۳۹/۲ پ ۲۳ ع ۱۵

ہم نے تیری طرف (اے رسول) کتاب برحق نازل کی ہے پھر تو اللہ کی عبادت کر اس حال میں کہ تو اُس کے واسطے دین کو خالص کرنے والا ہے۔

آیت نمبر (۱) میں بیان ہے کہ جو کچھ جناب ممدوحؐ پر رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا پہلے وہ خود اس پر ایمان لائے۔
آیت نمبر (۲) میں بتلایا گیا ہے کہ جو کچھ نازل ہوا وہ الکتاب کی شکل میں مرتب ہوا، اور اس پر ایمان لانے کے علاوہ خود جناب ممدوحؐ کو

خلوصِ قلب کے ساتھ اُس کے احکام پر عمل کرنے کا حکم ہوا۔

(۳) وَ قُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ

۴۲/۱۴ پ ۲۵ ع ۳

کہہ دے (اے رسول) میں اس پر ایمان لایا جو اللہ نے کتاب سے نازل کیا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تم میں عدل قائم کروں۔

اس آیت سے اس امر کا جتلانا مقصود ہے کہ اس کتاب پر ایمان اور عمل جناب ممدوح کی ذات تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کا اہلِ عالم کے ساتھ ایک مضبوط تعلق ہے، اور جناب ممدوح مامور ہوئے ہیں کہ اس کتاب کے ذریعے سے دنیا میں عدل کی مستحکم بنیاد قائم کریں۔

یہ شاندار اور پُرشوکت الفاظ جس عظیم الشان روحانی سلطنت کے بنیادی پتھر کی صورت میں جلوہ گر ہوئے ہیں نہایت صفائی سے ظاہر کر رہے ہیں کہ اُس کا بانی ایسا شخص نہیں جو خلق اللہ کو ایک انسان کی رائے کے تابع کرنا چاہتا ہے، بلکہ اُس کا دعویٰ خالص اس امر پر مبنی ہے کہ وہ مامور ہے رسول ہے اور اس امر کا پابند ہے کہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کو ایک کتاب کی شکل میں مرتب رکھے۔ تاکہ وہ کتاب آنے والی ضرورتوں میں

ا۔ اپنے عمل کرنے والوں کو تاریک دنیا میں محفوظ اور پُرامن راہیں بتلائے۔

ب۔ عام لوگوں کو اس پاک اور برگزیدہ مذہب کے اصول اور طریقہ ہائے عمل سے آگاہ کرے۔

اسی کتاب کا دوسرا نام قرآن ہے۔ دیکھو آیاتِ ذیل۔

(۴) الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۱۵/۱ پ ۱۴ ع ۱

یہ اس کتاب یعنی قرآن بیان کرنے والے کی آیتیں ہیں۔

(۵) طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۲۷/۱ پ ۱۹ ع ۱۶

یہ اس قرآن یعنی کتاب بیان کرنے والے کی آیتیں ہیں۔

یہ دونوں آیتیں ایک دوسری کی تفسیر کرتی ہیں، آیت نمبر (۴) میں جس مجموعہ کو الکتاب سے تعبیر کیا ہے، آیت نمبر (۵) میں اُسی مجموعہ کو القرآن فرمایا ہے، اسی طرح آیت نمبر (۴) میں لفظ قرآن اور اس کے مقابل آیت نمبر (۵) میں لفظ کتاب کا استعمال ہوا ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ الکتاب کا دوسرا نام القرآن ہے۔

دوسرا ضمن

وہ آیات جن میں مخاطبین رسالت کو اصل مکتوب نسخہ قرآن مجید کی طرف دعوت کی گئی ہے۔

(۱) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ۴/۱۳۶ پ ۵ ع ۱۷

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو اللہ نے اپنے رسول پر اتاری ہے۔

اس آیت میں الکتاب (قرآن مجید) کی موجودگی کو ایک اور شکل میں ظاہر کیا گیا ہے۔ یعنی مومنین کے ایمان کا مدار دو باتوں پر ہے۔

اول　　اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان لانا

دوم　　اللہ تعالیٰ کے رسول کی حیثیت رسالت پر ایمان لانا۔

ان دونوں باتوں کی تشریح و تفسیر کے ساتھ اسی آیت میں کر دی گئی ہے۔ یعنی ان پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کتاب پر ایمان لاؤ جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی ہے، اور جس کی تبلیغ جناب خاتم النبیین کو منصب رسالت سے ممتاز کرتی ہے۔

(۲) وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۱۵۶/۶ پ ۸ ع ۲،

اور یہ مبارک کتاب ہے اس کو ہم نے نازل کیا ہے۔ پھر تم اس کی پیروی کرو اور ڈرو تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔

جس طرح اس کتاب پر ایمان لانا اور عمل کرنا جناب ممدوح کا ذاتی فرض تھا۔ اسی طرح آیت نمبر (۲) میں مومنین کو حکم ہوا ہے کہ وہ بھی اسی کتاب پر ایمان لائیں اور عمل کریں کیونکہ ایسا کرنا باعث رحمت ہے۔

آیت نمبر (۲) میں لفظ هٰذَا غور کے لائق ہے۔ قرآن مجید کی زبان میں هٰذَا سے جب کسی مادی شے کی طرف اشارہ ہو تو اس کا اس مقام پر مجسماً موجود ہونا ضروری ہے اس کی مثالیں قرآن مجید میں بکثرت موجود ہیں۔ دیکھو آیات ذیل

ا　فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۷۹/۲ پ ۱ ع ۹

پھر افسوس ان لوگوں پر ہے جو اپنے ہاتھوں سے ایک کتاب لکھتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے ذریعہ تھوڑا مول لے لیں۔

اس آیت سے صرف اس قدر استدلال مقصود ہے کہ ایک جماعت اپنے خیالات سے ایک کتاب لکھتی پھر اسی کو هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (یہ اللہ کی طرف سے ہے)، کہتی تھی اس آیت میں اسی کتاب پر جو ان کے ہاتھوں میں مجسماً موجود تھی لفظ هٰذَا بولا گیا تھا۔

ب　　اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا ۲۸/۲۷ پ ۱۹ ع ۱۷

میرا یہ مراسلہ لے جا۔

اس آیت میں هٰذَا کا مشارٌ الیہ وہ مراسلہ شاہی متعلق بہ تبلیغ رسالت تھا جس کو جناب سلیمانؑ نے پہلے سفیر کے حوالے کیا پھر اسی کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ "یہ میرا مراسلہ لے جا"

جب مشارٌ الیہ دو یا زیادہ ہوں تو اسی نسبت سے صیغہ تثنیہ هٰذَانِ یا صیغہ جمع هٰؤُلَاءِ استعمال کیا جاتا ہے هٰذَا کا اشارہ جہاں کتاب کے سوا اشیا یا اشخاص پر ہوا ہے اس کی بھی چند مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔ ان سب میں مشارٌ الیہ کا اس مقام پر

مجموعاً موجود ہونا پایا جاتا ہے

ج كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يٰمَرْيَمُ أَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۳/۳۷ پ ۳ ع ۱۲

جب زکریا اُس (مریم) کے پاس عبادت گاہ میں جاتا تو اُس کے پاس کھانے کی چیز پاتا زکریا نے ایک دفعہ کہا اے مریم تیرے لئے یہ چیز کہاں سے آئی ہے (مریم) نے کہا اللہ کے پاس سے۔

جناب زکریاؑ مریم صدیقہؑ کے مذہبی متکفل تھے، وہ معبدِ مذکورہ کو دیکھنے کے واسطے اس کے مکان میں جایا کرتے تھے ایک دفعہ اس کے پاس کھانے کی چیزیں موجود پاکر دریافت فرمایا یہ کہاں سے ملی ہیں انھوں نے جواب دیا اللہ تعالےٰ نے بھیجی ہیں۔

د اِذْهَبُوا بِقَمِيْصِي هٰذَا ۱۲/۹۳ پ ۱۳ ع ۴

میری یہ قمیص لے جاؤ۔

جناب یوسفؑ نے اپنی موجودہ قمیص کی طرف اشارہ کرکے بھائیوں کو حکم دیا کہ اسے میرے باپ (جناب یعقوبؑ) کے حضور میں لے جاؤ۔

ہ أَهٰذَا الَّذِي بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۲۵/۴۱ پ ۱۹ ع ۴

کیا یہی ہے جس کو اللہ نے رسول بناکر بھیجا ہے۔

اس آیت میں ھٰذَا کے مشارٌ الیہ جناب خاتم النبیینؐ ہیں جنھیں دیکھ کر کفار آپس میں کہا کرتے تھے کیا یہی شخص ہے جو اللہ کی طرف سے رسول ہوکر آیا ہے۔

تمام آیاتِ متذکرۂ بالا میں جب مشارٌ الیہ کا اُس مقام پر موجود ہونا تسلیم کیا جاتا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ جن مقامات میں قرآن مجید کی نسبت ھٰذَا کا استعمال ہوا ہے وہاں اُس کا یکجا موجود ہونا تسلیم نہ کیا جائے۔

اس مقام پر چند آیات کا درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو آیت نمبر (۲) کی تائید میں ہیں۔

(۳) فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰى آثَارِهِمْ إِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ أَسَفًا ۱۸/۶ پ ۱۵ ع ۱۳

پھر شاید تو (اے رسول) اپنی جان کو مارے غم کے ان لوگوں کے پیچھے ہلاک کرنے والا ہے کہ یہ اس قرآن پر ایمان نہیں لائے۔

(۴) وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُوْرًا ۲۵/۳۰ پ ۱۹ ع ۱

اور کہا رسول نے اے میرے رب بے شک میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا ہے۔

(۵) وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ وَ هٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖۗ وَ بُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ۚ ۴۶/۱۲ پ ۲۶ ع ۲

اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب امام اور رحمت تھی اور یہ کتاب ہے تصدیق کرنے والی عربی زبان میں تاکہ آگاہ کرے ان لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا اور بشارت ہے احسان کرنے والوں کے واسطے۔

ان آیات میں بتلایا گیا ہے کہ یہی نسخہ قرآن مجید ہے۔

ا۔ جس پر ایمان نہ لانا باعث ملال سید الابرار ہے۔

ب۔ جس سے علیحدگی اختیار کرنے پر قوم کا اصرار ہے۔

ج۔ جس میں محسنین کے لئے بشارت اور ظالموں کے لئے انذار ہے۔

تیسرا ضمن

وہ آیات جن سے اسی قرآن مجید کا نصاب تعلیم مقرر ہونا پایا جاتا ہے۔

(۱) لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۳/۱۶۴ پ ۴ ع ۸

بے شک اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا جب انھیں میں سے ان میں رسول بھیجا پڑھ سناتا ہے ان کو اللہ کی آیتیں اور انھیں پاکیزگی کی راہ بتلاتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

اس آیت کو اس امر کی شہادت میں پیش کیا جاتا ہے کہ زمان سعادت اقتران جناب خاتم النبیین میں جو لوگ تعلیم کی قابلیت رکھتے تھے اُن کو کتاب اللہ کی تعلیم دے کر، اور جو لوگ اس درجے کے نہ تھے ان کو کتاب اللہ سُنا کر، دین کی تبلیغ کی جاتی تھی، اور اس تعلیم اور تلاوت کے اہم فرض کو جناب ممدوح خود بنفس نفیس انجام فرماتے تھے۔

یہ سلسلہ تعلیم مقامی اشخاص تک ہی محدود نہ تھا بلکہ دور دراز مقامات کے لوگوں کو بھی اس جماعت میں شامل ہونے کی تحریک کی جاتی تھی تاکہ وہ قرآن مجید کی تعلیم سے مستفید ہو کر اہل وطن کو اس نور کی روشنی سے منور کریں۔ اس کے متعلق دیکھو آیات ذیل۔

(۲) وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۳/۱۰۴ پ ۴ ع ۳

اور تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہیئے[1] کہ قرآن مجید کی طرف دعوت کرے اچھے کام کا حکم دیں اور برے کام سے روکیں

[1] یہ حکم پوری امت کے لئے ہے یہاں مِنْ تبیین کے لئے ہے تبعیض کے لئے نہیں۔ (طلوع اسلام)

اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔

(۳) وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ $\frac{۹}{۱۲۲}$ پ ۱۱ ع ۴

اور ممکن نہیں کہ مسلمان (مدافعت کے لئے) سب کے سب نکلیں پھر کیوں نہ نکلی ہر فرقہ میں سے ایک جماعت تاکہ سمجھ پیدا کرتے اور جب اپنی قوم کے پاس واپس جاتے ان کو آگاہ کرتے تاکہ وہ (خواب غفلت سے) جاگ اٹھیں۔

(۴) بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ $\frac{۲۹}{۴۸}$ پ ۲۱ ع ۱

بلکہ وہ کھلی کھلی آیتیں ان لوگوں کے سینوں میں ہیں جن کو قرآن مجید کا علم دیا گیا ہے۔

ان تعلیم پانے والوں کی دو جماعتیں تھیں ایک جماعت اطراف ملک میں قرآن مجید کی شہادت ادا کرنے کے واسطے تیار کی جاتی تھی جس کا ذکر آیت نمبر (۲ و ۳) میں ہے دوسری جماعت قرآن مجید کو بغیر مدد کتاب کے اپنے سینوں میں محفوظ رکھتی تھی۔ ان جماعتوں کی بنیاد ایسے مضبوط طریق پر رکھی گئی تھی کہ جب تک اسلام قائم رہے یہ جماعتیں بھی موجود رہیں۔ ان جماعتوں کے تعلیمی نتائج کے متعلق دیکھو آیات ذیل۔

(۵) شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ $\frac{۳}{۱۸}$ پ ۳ ع ۱۰

اللہ نے گواہی دی کہ بے شک کوئی معبود نہیں مگر وہی اللہ اور ملائکہ اور اہل علم نے انصاف پر قائم ہو کر گواہی دی کہ اللہ غالب حکمت والے کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔

(۶) وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ۙ وَ مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ $\frac{۱۳}{۴۳}$ پ ۱۳ ع ۱۲

اور کافر کہتے ہیں تو رسول نہیں کہہ دے اے رسول میرے اور تمہارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے اور وہ لوگ جن کو الکتٰب (قرآن مجید) کا علم ہے (گواہ ہیں)

(۷) وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَ مَا يَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ $\frac{۲۹}{۴۳}$ پ ۲۰ ع ۱۹

اور یہ مثالیں ہیں جن کو ہم لوگوں کے واسطے بیان کرتے ہیں اور ان کو سوائے اہل علم کے کوئی نہیں سمجھتا۔

(۸) وَ يَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَ يَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ $\frac{۳۴}{۶}$ پ ۲۲ ع ۷

اور وہ لوگ جن کو قرآن مجید کا علم دیا گیا ہے جانتے ہیں کہ جو کچھ تجھ پر تیرے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے وہ حق ہے

اور اللہ غالب، حمد کے لائق کے رستہ کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

یہی جماعت تھی جنھوں نے طلبِ حق کی راہ سے قرآن مجید کا علم حاصل کیا، اور مذہبِ اسلام کی حقانیت اور ذاتِ باری کی وحدانیت پر آزادی اور انصاف سے شہادت دی۔

یہی جماعت تھی جن کی شہادت کو تصدیقِ رسالت کے واسطے تمام انسانی جماعت میں کافی سمجھا گیا۔

یہی جماعت تھی جن کے سر پر سب سے اوّل تعلیم قرآن مجید کا تاج رکھا گیا۔

یہی جماعت تھی جنھوں نے اہلِ عالم کو دکھلا دیا کہ یہی کتاب برحق (قرآنِ مجید) صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

اس جماعت کی روحانی ترقیات کا اندازہ قرآن مجید کا بہت ساحتہ مطالعہ کرنے کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس مقام پر صرف چند آیات بلحاظِ مناسبتِ مضمون لکھی جاتی ہیں۔

(۹) اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾ پ ۲۲ ع ۱۶

اللہ سے صرف اُس کے بندوں میں سے قرآن مجید کے جاننے والے ڈرتے ہیں بے شک اللہ غالب بخشنے والا ہے۔

(۱۰) يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾ پ ۲۸ ع ۲

اللہ تم میں سے ان لوگوں کے درجے بلند کرتا ہے جو ایمان لائے اور جن کو (قرآنِ مجید کا) علم دیا گیا اور اللہ تمہارے عملوں سے آگاہ ہے

(۱۱) اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَ يُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾ پ ۲۸ ع ۳

یہی لوگ ہیں کہ اللہ نے اُن کے دلوں کو ایمان سے روشن کر دیا ہے اور اپنے روح سے اُن کی تائید کی اور ان کو جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں یہ لوگ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اللہ اُن سے راضی ہوا اور یہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہ ہے اللہ کی جماعت۔ یاد رکھو بے شک اللہ ہی کی جماعت نجات پانے والی ہے۔

آیت نمبر (۹) میں تبلایا گیا ہے کہ جنھوں نے فی الحقیقت قرآن مجید کا علم حاصل کیا ہے اُن میں بطورِ نتیجہ تعلیم خشیتِ الٰہی پیدا ہو گئی ہے۔

آیت نمبر (۱۰) میں بیان ہے کہ وہ جماعت جو ایمان کے ساتھ قرآن مجید کے علم اور ایمان سے بہرہ مند ہے عزت اور رفعت کا

تاج انھیں کے سروں پر ہے اور دونوں جہان میں کامیابی انھیں کا حصہ ہے۔

آیت نمبر(۱) میں اس عزت کی تشریح اس طرح کی گئی ہے کہ

ا اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے دلوں میں ایمان کی روشنی پیدا کردی ہے۔

ب اس جماعت کی تائید روح القدس سے ہوئی ہے۔

ج یہ جماعت ہمیشہ جنت میں رہے گی۔

د اس جماعت کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام پر راضی ہوئے۔

ھ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہیں اور نجات اسی جماعت کا حصہ ہے۔

چوتھا ضمن

وہ آیات جن سے جناب خاتم النبیینؐ کے پاس وعظ و نصیحت کے وقت نسخہ قرآن مجید کا مکتوب ہونا پایا جاتا ہے۔

(۱) وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُم بِهِ ۚ ~~۲۳۱~~ پ ۲ ع ۱۳

اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہے اور جو کچھ تم پر کتاب و حکمت سے اتارا گیا ہے وہ (رسولؐ) تم کو اس کتاب سے نصیحت کرتا ہے۔

(۲) وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ ۚ ~~۶/۱۹~~ پ ۷ ع ۸

اور (اے رسول شہادت دے) میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ میں تم کو آگاہ کروں اور اس شخص کو جسے (یہ) پہنچے۔

(۳) رَّسُولًا يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ ~~۶۵/۱۱~~

(اللہ کا) رسول تم پر اللہ کی کھلی کھلی آیتیں پڑھتا ہے تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کئے تاریکی سے نور کی طرف نکالے۔

(۴) رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۚ ~~۹۸/۲~~ پ ۳۰ ع ۲۳

اللہ کا رسول محفوظ صحیفے پڑھتا ہے جن میں سیدھی راہ ظاہر کرنے والی تحریرات ہیں۔

آیت نمبر(۱) میں بیان ہوا ہے کہ اس کتاب اللہ کا نازل کیا جانا اللہ تعالےٰ کا اپنے بندوں پر ایک انعام ہے، یہ کتاب سراسر حکمت ہے، اور اسی کتاب کا تم کو وعظ کیا جاتا ہے۔

آیت نمبر (۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک قرآن مجید جناب خاتم النبیین کے پاس موجود تھا جس کی طرف جناب ممدوح اشارہ کر کے بیان فرماتے تھے کہ یہی قرآن مجید ہے جو اس زمانے میں وحی کے ذریعے سے مجھ پر نازل ہوا ہے جس کا مدعا یہ ہے کہ میں تمام موجودہ اور آیندہ نسلوں کو بُرے اعمال کے خطرناک نتائج سے آگاہ کر دوں

آیت نمبر (۳) میں ایٰتُ اللّٰہ اور آیت نمبر (۴) میں صُحُفًا مُّطَهَّرَةً کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو ہم معنی ہیں یا ایک دوسرے کے مفسّر ہیں۔ دونوں آیتوں کا مفہوم یہ ہے کہ جناب ممدوح اللہ تعالیٰ کے رسول کی حیثیت میں لوگوں کو قرآن مجید پڑھ کر سناتے ہیں تاکہ مومنین صالحین کو تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں۔

ان تمام آیات سے معلوم ہوگا کہ رسالت کے اس آخری دور کا تمام دارومدار صرف قرآن مجید پر تھا جس کو حرزِ جان کی طرح کتاب کی صورت میں ہر وقت اپنے پاس رکھا جاتا تھا۔

پانچواں ضمن

وہ آیات جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مخاطبین کے سامنے ایک مرتب قرآن مجید غور و فکر کے واسطے پیش کیا جاتا تھا۔

(۱) وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۱۶/۴۴ پ ۱۴ ع ۱۳

اور ہم نے تیری طرف یہ قرآن مجید نازل کیا ہے تاکہ تو (اے رسول) لوگوں کے سامنے بیان کر دے جو اُن کی طرف نازل ہوا ہے اور تاکہ وہ غور کریں

(۲) اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۴۷/۲۴ پ ۲۶ ع ۷

کیا پھر یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل ہیں۔

(۳) كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۳۸/۲۹ پ ۲۳ ع ۱۲

ہم نے اس برکت والی کتاب کو (اے رسول) تیری طرف نازل کیا ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیتوں پر غور کریں اور دانا نصیحت حاصل کریں۔

یہ سب آیتیں ایک دوسری کی مفسّر ہیں، اور ظاہر کرتی ہیں کہ الذّکر اور القُرآن کا مفہوم واحد ہے اور اس کو ایک کتاب کی شکل میں اس واسطے ترتیب دیا گیا ہے کہ اس کی آیات پر تفکر اور تدبّر کیا جا سکے، اور اس غور و فکر سے دانشمند نصیحت حاصل کریں۔

جو کتاب اپنے اجزا کی جامع نہ ہو اُس پر فی الحقیقت نہ تو کبھی کتاب کا اطلاق ہو سکتا ہے، نہ ہی اس کے مضامین کی نسبت غور و فکر کی جا سکتی ہے۔ اگر مخاطب کو غور و فکر کے واسطے بلایا جائے تو ساتھ ہی متکلم کا فرض ہوتا ہے کہ جس کتاب پر غور کیا جاتا ہے وہ مجموعاً مخاطب کے سامنے پیش کرے۔ ایسی کتاب کے موجود نہ ہونے، یا متفرق مقامات میں بے ترتیب ہونے، یا کچھ مکتوب اور کچھ غیر مکتوب ہونے کی حالتوں میں کبھی ایسا زبردست دعویٰ نہیں ہو سکتا تھا جو آیات مذکورہ بالا میں مرقوم ہے۔

چھٹا ضمن

وہ آیات جن سے قرآن مجید کا جامع وحی اور مفصل ہونا پایا جاتا ہے۔

(۱) أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ ۱۱۴/۶ پ ۸ ع ۱

پھر کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو حاکم بنانا پسند کروں اور وہ وہی ہے جس نے تم پر مفصل کتاب نازل کی۔

(۲) وَلَقَدْ جِئْنَاهُم بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۵۲/۷ پ ۸ ع ۱۳

اور بے شک ہم نے اُن لوگوں کو ایک کتاب دی ہے جس کو ہم نے اپنے علم سے مفصل کر دیا ہے اُس قوم کے واسطے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لاتی ہے۔

(۳) الر ۚ كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ ۱/۱۱ پ ۱۱ ع ۱

یہ کتاب ہے کہ اس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں پھر مفصل کی گئی ہیں اللہ حکمت والے خبر رکھنے والے کی طرف سے۔

(۴) مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۱۱۱/۱۲ پ ۱۳ ع ۶

یہ قرآن جھوٹ بنایا ہوا نہیں لیکن اس امر کی تصدیق ہے جو اُس کے سامنے ہے اور ہر ایک امر کی تفصیل ہے اور ہدایت اور رحمت ہے اُس قوم کے واسطے جو ایمان لاتی ہے

(۵) وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ۸۹/۱۶ پ ۱۴ ع ۱۸

اور ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جس میں ہر ایک امر کا بیان ہے اور اسلام لانے والوں کے واسطے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔

آیت نمبر (۱) میں ہے کہ قرآن مجید کی موجودگی میں کسی اور کتاب کو مذہبی حکمرانی کا حق حاصل نہیں ہے اور اس کا مفصل ہونا ہی

اس امر کی کافی ضمانت ہے کہ وہ محتاجِ غیر نہیں۔

آیت نمبر (۲) میں ہے کہ عالم الغیب نے اپنے کامل علم کے مطابق قرآن مجید کو مفصل کر دیا ہے، جو مومنین کے واسطے ہدایت اور رحمت ہے۔

آیت نمبر (۳) میں ہے کہ یہ تفصیلاتِ قرآنی اس ذاتِ پاک کی طرف سے ہیں، جس کے تمام کام سراسر حکمت اور کامل آگاہی پر مبنی ہیں۔ آیت نمبر (۴ و ۵) میں کھول کر بتلا دیا ہے کہ اِس قرآنِ مجید میں اُن کل امور کو جو صراطِ مستقیم کی ہدایت کے واسطے ضروری ہیں اور انسان کے واسطے باعثِ رحمت ہیں مفصل یا واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے، اور یہی تفصیل یا بیان مسلمین کے لئے بشارت ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کی حکمت اس امر کے مقتضی ہوتے کہ ہدایت اور رحمت اس سے زیادہ تفصیل چاہتے تو قرآن مجید کا اور مفصل کرنا کچھ مشکل نہ تھا، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب مقدس کو تمام اہلِ عالم کا ہادی اور آسان دستور العمل بنانا مقصود تھا اس واسطے اسی قدر مندرجہ تفصیلات پر کفایت کی گئی اور اس پر زیادتی کرنا خود منشاء باری تعالیٰ کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وسیع علم کے مطابق دنیا کے پاس یہ کتاب آئی، جس میں تمام انسانوں کی صلاح و فلاح کے متعلق کُل امور موجود ہیں۔ اگر اس کتاب میں تمام کلماتُ اللہ جو بذریعہ وحی نازل ہوئے درج نہ ہوتے تو کبھی اس کی نسبت تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ اور پھر تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ کے الفاظ استعمال نہ کئے جاتے۔ یہ تمام آیات ہر ایک پہلو میں اس کتاب عزیز کی جامعیت کی زبردست شہادتیں ہیں۔

فصلِ نہم

اصل نسخۂ قرآن مجید کی حفاظت میں سعی بلیغ کی جاتی تھی

گزشتہ فصلوں میں اس اہتمام کا ذکر ہے جو قرآن مجید کی کتابت جمعیت اور ترتیب کے متعلق ظہور میں آیا اس فصل میں اس امر کا بیان ہے کہ اہتمام مذکور کے علاوہ پوری کوشش سے اس کتاب کی حفاظت بھی کی جاتی تھی تاکہ رب العالمین کی یہ امانت شریروں کی دست برد سے محفوظ رہے اور بتمامہ بلا کم و کاست اہلِ عالم کو پہنچے اور اس طرح پر تبلیغ اور ختم رسالت کا حق ادا ہو جائے۔ اس امرِ عظیم کی شہادت میں چند آیتیں اس مقام پر درج کی جاتی ہیں۔

(۱) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ پ ۱۴ ع ۱

ہمیں نے اس قرآن کو ترتیب دیا ہے اور ہمیں اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں باری تعالیٰ عزاسمہ نے اَلذِّکْر (قرآن مجید) کی حفاظت کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کو کس قدر اہم سمجھا گیا تھا، اور اس کو بوجہ احسن و اکمل انجام دینا اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ مرضی کا پورا کرنا تھا۔

(۲) وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۙ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿۴۱/۴۲﴾ پ ۲۴ ع ۱۹

اور بے شک یہ کتاب عزت والی ہے اس میں (امر) باطل آگے پیچھے سے نہیں آتا یہ ترتیب اللہ حکمت والے قابل حمد کی طرف سے ہے۔

(۳) اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۶/۷۹﴾ پ ۲۷ ع ۱۶

بے شک یہ قرآن ایک محفوظ کتاب میں ہے نہیں رکھتے اس کو مگر وہ لوگ جو اس کی پوری حفاظت کرنے والے ہیں (یہ) ترتیب رب العالمین کی طرف سے ہے۔

(۴) بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۸۵/۲۱-۲۲﴾ پ ۳۰ ع ۱۰

بلکہ یہ قرآن مجید محفوظ کتاب میں ہے۔

آیات نمبر (۲ و ۳) ایک دوسری کی مفسر ہیں، اور علیحدہ علیحدہ انداز میں ایک ہی مفہوم کو ظاہر کرتی ہیں۔ یعنی ہر دو آیات کے الفاظ ذیل قابل غور ہیں۔

نمبر (۲) لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ

نمبر (۳) لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔

ان کا مطلب یہ ہے کہ اس قرآن مجید کی حفاظت کا اہتمام ایسے طور پر کیا گیا ہے کہ اس میں کسی وجہ سے امور باطلہ داخل نہیں ہو سکتے یا یہ کہ قرآن مجید شریروں کی دست برد سے محفوظ ہے، کیونکہ ایک پاکباز جماعت کے قبضہ میں ہے۔

آیت نمبر (۴) معناً پہلی آیات نمبر (۲ و ۳) کی اور لفظاً آیت نمبر (۳) کے پہلے لفظوں کی تفسیر کرتی ہے۔ یعنی ہر دو آیات کے الفاظ ذیل قابل غور ہیں۔

نمبر (۳) اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ

نمبر (۴) بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ

ان کو بالمقابل رکھنے سے معلوم ہو جائے گا کہ پہلی آیت کے لفظ مَکْنُوْن کی تفسیر دوسری آیت میں لفظ مَحْفُوْظ سے کی گئی ہے اور دوسری آیت کے لفظ لوح کی تفسیر پہلی آیت کے لفظ کِتٰب سے کی گئی ہے، باقی الفاظ ہر دو آیات کے بالبداہت متحد المعنیٰ ہیں۔

نتیجہ

یہ قرآن مجید ایک محفوظ کتاب کی شکل میں ہے اس کی حفاظت کا اہتمام ایسے طور پر کیا گیا ہے کہ اس میں امورِ باطلہ داخل نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ ایک پاکباز جماعت کے قبضہ میں ہے۔

(۵) وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ (۲۳/۶۲-۶۳ پ ۱۸ ع ۴)

ہم کسی جان کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو امرِ حق بتلاتی ہے اور ان لوگوں پر ظلم نہیں کیا جاتا بلکہ ان کے دل اس کتاب سے غفلت میں ہیں اور ان کے عمل جن کو وہ کرتے ہیں اس کتاب کے سوا ہیں۔

اس آیت میں پہلے یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں گو ہر ایک حکم اپنی کامل شکل میں بیان ہوا ہے اور اس کی پوری تعمیل انھیں انسانوں سے مقصود ہے جو اسی کامل شکل میں اس کی تعمیل کر سکتے ہیں تاہم اگر محکوم یا مامور بلحاظ اپنی جسمانی عارضی حالت، یا ملکی اور مقامی خاص خاص تاثیرات کے اس حکم کو کامل شکل میں ادا نہیں کر سکتا تو وہ حکم بھی اس خاص صورت میں محکوم کی وسعت کے ماتحت ہو جاتا ہے تاکہ احکامِ قرآن مجید انسان کی حسنِ معاشرت کا باعث ہوں اس پر بار نہ ہوں۔ اس روشن دعوے پر آیت میں یہ دلیل پیش کی گئی ہے کہ ہمارے پاس (دربارِ رسالت میں) ایک کتاب (قرآن مجید) موجود ہے جس کے مطالعہ سے اس دعوے کی صداقت معلوم ہو سکتی ہے، اور جس کا خاصہ یہ ہے کہ امورِ حقہ کی حقیقت اور امورِ باطلہ کی بطالت کو صاف صاف ظاہر کر دیتی ہے۔ اور اس اظہارِ حق میں کسی شخص پر ظلم نہیں کیا جاتا یعنی اس کی حق تلفی نہیں ہوتی باوجودیکہ نوعِ انسان کے طبائع اور ان کے عوارضِ لاحقہ کو مدِ نظر رکھ کر ان کی صلاحیت کے واسطے ہدایات اور احکام نازل ہوئے ہیں، اور بلحاظ خاص حالات کے کچھ مستثنیات بھی ہیں پھر بھی مخالفین کے دل اس کتاب سے غافل ہیں، اور ان کے اعمال اس کتاب کے سوا ہیں۔

اس بیان سے صرف اس امر کا ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اصل دعوے کی سند میں نسخۂ قرآن مجید موجودہ دربارِ رسالت ہی کو پیش کیا گیا ہے۔

(۶) حٰمٓ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ (۴۳/۱-۴ پ ۲۵ ع ۷)

قسم ہے اس بیان کرنے والی کتاب کی ہم نے ہی اس کو عربی قرآن بنایا ہے تاکہ تم سمجھو اور بے شک یہ قرآن ہمارے پاس اُمُّ الکتٰب (اصل کتاب) میں ہے عالی رتبہ اور پُر حکمت۔

اس آیت میں بالصراحت ذکر کیا گیا ہے کہ جس قدر قرآن مجید بصورتِ کتاب اہلِ عالم کے ہاتھوں میں ہے وہی ہمارے پاس اُمّ الکتٰب میں ہے۔ یعنی اس کا اصل نسخہ دربارِ رسالت میں موجود ہے۔

اب وہ آیت بیان کی جاتی ہے جس میں لفظ اُمُّ الْکِتٰبِ کا اطلاق براہِ راست قرآن مجید پر ہوا ہے

(۷) هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ ۳/۵ پ ۳ ع ۵

اللہ وہی ہے جس نے تجھ پر یہ کتاب اتاری اس میں سے آیاتِ محکمات ہیں جو (اُمّ الکتاب) اصل کتاب ہیں اور دوسری متشابہ (انہیں کی ہم شکل) ہیں۔

اس آیت میں قرآن مجید کی آیات کی ایک خاص تقسیم بیان ہوئی ہے یعنی محکمات اور متشابہات، پھر محکمات کو اُمُّ الْکِتٰبِ کہا گیا ہے۔ کیونکہ محکمات متشابہات کی اُمّ یا ماخذ ہیں اور انہیں سے آیاتِ متشابہات کی تفسیر ہوتی ہے۔

(۸) اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ۳۹/۲۳ پ ۲۳ ع ۱۶

اللہ نے سب سے اچھی حدیث نازل کی ہے جو بصورتِ کتاب ہے۔ ہم شکل اور دوہرائی ہوئی آیتوں والی ہے۔

اس آیت میں قرآن مجید کو احسن الحدیث کہا گیا ہے جس کی کیفیت یہ ہے۔

(ا) یہ کتاب کی شکل میں مرتب ہے۔

ب اس کی آیتیں آپس میں ہم شکل ملتی جلتی اور دوہرائی ہوئی ہیں۔

اس ہم شکل لانے اور دُہرائے جانے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید اپنی تفسیر خود کرے، ایک مجمل آیت کی دوسری آیت تفصیل کرے، ایک مقام کے مختلف احتمالات کو دوسرا مقام رفع کرے۔ اور اس طرح پر قرآن مجید مختلف پہلوؤں سے اپنے کامل ہونے کی شہادت دے۔

الغرض جس طرح قرآن مجید موجودہ دربارِ رسالت اُن تمام نسخوں کے واسطے جو اُس سے نقل ہوئے، اور چشمہ ہائے جاریہ کی طرح تمام عالم کو سیراب کرنے کے واسطے دُنیا کے نزدیک و دُور مقامات میں پہنچ گئے، اُمّ الکتاب یا حجر مسجود کا حکم رکھتا ہے، اسی طرح اُس کی آیاتِ محکمات آیاتِ متشابہات کی اُمّ ہیں۔ یہ آیت اس امر کی شاہد بیّن ہے کہ قرآن مجید پر اُمّ الْکِتٰبِ کا اطلاق ہوا ہے۔

اُمُّ الْکِتٰبِ سے کوئی ایسی کتاب مراد لینا جو انسان کی رسائی سے باہر ہو کسی طرح صحیح نہیں کیونکہ جناب خاتم النبیین کی حیاتِ مبارکہ میں بلحاظ اُن کے منصبِ تبلیغ کتاب اللہ کے ایک محفوظ نسخہ قرآن مجید کی اہم ضرورت تھی جو تمام اختلافاتِ امکانی کے واسطے بلحاظِ کتابت جمعیت اور ترتیب کلمات اللہ کے ہر طرح پر صحیح اور مکمل ہوتا اور جس پر تمام سوالاتِ متعلقہ کے جواب میں یہ آیت صادق آتی۔

(۸) اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۙ وَّ مَا هُوَ بِالْهَزْلِ ؕ ۸۶/۱۳-۱۴ پ ۳۰ ع ۱۱

بیشک یہ قرآن قول فیصل ہے اور یہ ہنسی نہیں ہے۔

لُغت سے بھی اسی مفہوم کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ منتہی الارب اور منتخب اللغات میں لفظ اُمّ کے معنی حسب ذیل مرقوم ہیں۔

اوّل۔ اصل ہر چیز۔ دوم آنچہ منضم الیہ چیزہا باشد، سوم۔ لوح محفوظ، چہارم مادر لفظ اُمّ کو جب الکتاب کے ساتھ ملایا جائے تو یہ تمام معانی قرآن مجید موجودۂ دربار رسالت پر بوجہ احسن صادق آتے ہیں۔

اوّل اصلِ ہر چیز، یہ اس لئے کہ اصل نسخۂ قرآن مجید باقی تمام نسخوں کا منقول عنہ تھا۔

دوم آنچہ منضم الیہ چیزہا باشد، یہ اس لئے کہ جس قدر حصۂ قرآن مجید کا نازل ہوتا تھا وہ اصل کتاب میں منضم (وصل) کیا جاتا تھا۔

سوم لوحِ محفوظ، یہ اس لئے کہ قرآن مجید ایک محفوظ کتاب کی شکل میں مرتب ہے۔

چہارم مادر۔ اس لئے کہ قرآن مجید انسانی تربیت کے تمام احسن قواعد پر حاوی ہے۔

ان تمام شہادتوں کے بعد اس امر میں ذرا بھی شبہ نہیں رہتا کہ اس مقام پر اُمُّ الْکِتٰب سے اسی اصل نسخۂ قرآن مجید کی طرف اشارہ ہے جو دربار رسالت میں ہر وقت موجود رہتا تھا، اور جس کی حفاظت ایمان کے برابر اور جان سے زیادہ کی جاتی تھی، اور جس کتاب کی تبلیغ تمام بہمہ وجوہ ختم رسالت کے واسطے لازم تھی۔

طلوعِ اسلام اس میں کوئی کلام نہیں کہ دربار رسالت میں قرآن کریم کا محفوظ نسخہ موجود تھا اس کے بغیر فریضۂ رسالت ادا ہی نہیں ہو سکتا تھا، لیکن اس حقیقت پر ان آیات سے استدلال (جنہیں مصنف نے اس باب میں پیش کیا ہے) ہمارے نزدیک کمزور ہے۔ اس کی تائید میں جو کچھ سابقہ ابواب میں کہا گیا ہے وہ زیادہ قوی ہے۔

فصل دہم

قرآن مجید کی نقول کی حفاظت کے واسطے مناسب ہدایات صادر کی گئیں۔

جماعتِ مسلمین کا بڑھا ہوا شوق اس امر کا مقتضی تھا کہ تلاوتِ کتاب اللہ سے بہرۂ وافر حاصل کریں، نیز اس کتاب کے تلاوت کرنے میں جو وقت پڑھنے والوں کا صرف ہوتا تھا قرآن مجید نے اس کو حیاتِ انسانی کا ایک بیش قیمت سرمایہ قرار دیا تھا جس سے انسان ہر دو عالم میں بے شمار منافع حاصل کر سکتا ہے۔ دیکھو آیت ذیل۔

(۱) اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ

سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ۝ ۲۹/۳۵ پ ۲۲ ع ۱۶

بے شک جو لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے اور صلوٰۃ قائم کرتے ہیں اور پوشیدہ اور ظاہر اُس مال سے خرچ کرتے ہیں جو ہم نے ان کو دیا، وہ امید کرتے ہیں ایسی تجارت کی جو بالکل نقصان والی نہیں۔

اس آیت میں بے شمار منافع اُنھیں لوگوں کے واسطے خاص کئے گئے ہیں جو کتاب اللہ کی تلاوت کے ساتھ اُن عظیم الشان اصول کو نظرانداز نہیں کرتے جو انسان کی روحانی زندگی کی بنیاد ہیں اور وہ یہ ہیں۔

ا اقامتِ صلوٰۃ اس سے اُن تعلقات کی حفاظت ہوتی ہے جو انسان اپنے خالق کے ساتھ رکھتا ہے

ب انفاقِ مال۔ اس سے اُن تعلقات کا استحکام ہوتا ہے جو انسان اپنے نوع کے ساتھ رکھتا ہے۔

الغرض کتاب اللہ کی وسیع اشاعت کی صورتوں میں ضرور تھا کہ اصل نسخہ محفوظ سے اُس کی نقول بہ کثرت حاصل کی جائیں تاکہ وہ دنیا کے ہر طبقہ میں ہر وقت اور ہر مقام پر نظر آئیں۔

تمام ایسی نقول کا غلطی سے محفوظ رکھنا جماعتِ مسلمین کا مذہبی فرض تھا، کیونکہ صرف اسی محتاط صورت میں وہ اس اسلام کی صحیح تعلیم تک پہنچ سکتے تھے۔ جس پر اپنی پیاری جانیں اور مال و دولت فدا کرنے کو تیار تھے اور جس کی رہبری سے وہ نجاتِ اُخروی کے امیدوار تھے باوجود ان تمام باتوں کے ایسی نقول کی حفاظت کے واسطے مناسب ہدایات صادر کی گئیں۔

ضمن اول

کتاب اللہ کی کثرتِ اشاعت

(۲) إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ أُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۲/۱۵۲

پ ۲ ع ۳

بے شک وہ لوگ جو ہماری نازل کی ہوئی آیاتِ بینات کو اور ہدایت کو چھپاتے ہیں۔ بعد اس کے کہ ہم نے اُن کو کھلے طور پر اس کتاب میں ان لوگوں کے واسطے بیان کر دیا ہے۔ یہ ہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے اور قوم لعنت کرتی ہے۔

اس آیت سے صرف اسی قدر شہادت کا بہم پہنچانا مقصود ہے کہ جناب خاتم النبیین کی حیاتِ مبارک ہی میں کتاب اللہ کی نقول حاصل کرنے کا سلسلہ رائج ہو گیا تھا، اور یہ کثرتِ اشاعت ایک عملی صورت تھی جس سے کتاب اللہ کا تعلیم یافتہ جماعت میں زیرِ تلاوت رہنا شروع ہو گیا، اور اسی وجہ سے کتاب اللہ میں کسی شخص کو کسی قسم کی مداخلت ذاتی کی جرأت نہ ہوئی۔ کیونکہ ایسے حالات میں ایسے خطرناک عمل سے انسان قومی لعنت کا مستوجب ہو کر ذلیل ہو جاتا ہے۔

جماعتِ مخالفین کو اِس کتاب کی حفاظت اور کثرتِ اشاعت کی وجہ سے کتاب میں مداخلت کرنے کی تو جُراُت نہ ہوئی، البتہ انھوں نے ایک اور راہ نکالی کہ خلافِ واقعہ زبانی روایات کا سلسلہ اسلامی سماج میں جاری کر دیا، مگر قرآن مجید نے ایسی روایات کے متعلق بھی قطعی فیصلہ صادر کر دیا[۱]۔

ضمنِ دوم

کتاب اللہ کی دعوت کرنے والوں کا تقرر

(۲) وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ ۳/۱۰۴ پ ۴ ع ۲

اور تم میں ایک جماعت ہونی چاہیے جو الخیر (کتاب اللہ) کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کو کہے، اور بُرے کاموں سے منع کرے اور یہی لوگ نجات والے ہیں۔

اس آیت میں قرآن مجید کی نقلوں کی حفاظت کی دوسری صورت ہدایت کی شکل میں بیان ہوئی ہے جس کی رُو سے جماعتِ مسلمین کو توجہ دلائی گئی ہے کہ ہر حصۂ ملک میں اشاعتِ اسلام کے ساتھ ساتھ ایسی جماعتیں بھی قائم کریں جو "کتابُ اللہ کی طرف دعوت" کا فرض ادا کریں۔ یہ جماعتیں کتاب اللہ کی نقلی اور ترتیبی صحت کی ذمہ دار ہیں، اور اپنے ابتدائی قیام کے زمانے سے اِس وقت تک اپنے فرائض کو بوجہ احسن ادا کر رہی ہیں۔

ضمنِ سوم

کتابُ اللہ کی اشاعت کا اہتمام

(۳) وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۷/۲۰۴ پ ۹ ع ۱۴

اور جب قرآن پڑھا جائے تو تم اس کو سنو تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔

اس آیت میں تیسرا عملی طریق حُکم کی شکل میں بیان ہوا ہے، جس کی رُو سے مومنین پر فرض قائم کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کی قرأت کے وقت خاموشی سے اُس کو سنیں، تاکہ رحمتِ الٰہی حاصل کر سکیں۔ اس تعلیم میں اور خوبیوں کے علاوہ بڑی مصلحت یہ ہے کہ اگر پڑھنے میں کوئی سہو یا غلطی واقع ہو جائے تو سننے والا اُس کو فوراً رفع کر دے، اور اس جد و جہد کی وجہ سے رحمتِ الٰہی کے دروازے ہمیشہ اُن پر کھلے رہیں، یہ ایسا طریق ہے جس میں داعیانِ کتابُ اللہ کے علاوہ کافۃ المسلمین اس کی حفاظت کر سکتے ہیں۔

[۱] دیکھو اس کے متعلق اسی کتاب کی فصل یازدہم ...... منہ مصنف

ضمن چہارم

کتاب اللہ کے حفظ کا اہتمام

(۵) بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۲۹/۴۹ پ ۲۱ ع ۱

بلکہ یہ کھلی کھلی آیتیں اُن لوگوں کے سینوں میں ہیں جن کو قرآن مجید کا علم دیا گیا ہے۔

اس آیت میں حفاظت کا چوتھا علمی طریق بیان ہوا ہے جس کے رُو سے جماعت متعلمین کتاب اللہ کے سینے اس قرآن مجید کے محافظ قرار پائے جو بغیر مدد کتاب کے اس کے الفاظ کو موجودہ ترتیب میں ہر وقت ادا کرنے پر قادر تھے۔

یہ طریق عمل ایسا مقبول اور مؤثر ہوا کہ ابتدائے اسلام سے اب تک ہر ایک زمانے میں ہر ایک اسلامی ملک میں ہزارہا مسلمین کی تعداد پائی جاتی ہے جو حفظ قرآن کی نعمت سے بہرہ ور ہیں۔ اور اس جانفشانی کی وجہ سے اسلام کی اہم خدمت کو انجام دے رہے ہیں۔

ضمن پنجم

کتاب اللہ کی قرأت کا اہتمام

(۶) فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۲۰/۷۳ پ ۲۹ ع ۱۴

پھر پڑھو جو کچھ تم قرآن سے آسانی کے ساتھ پڑھ سکو۔

اس آیت میں پانچواں علمی طریق حکم کی شکل میں بیان ہوا ہے۔ جس کے رُو سے ہر ایک شخص کو عام حالتوں میں اور بالخصوص صلوٰۃ میں قرآن مجید اُس قدر اور اُس مقام سے پڑھنا ضروری ہے جس کو وہ آسانی سے ادا کر سکے۔ اس حکم میں قرآن مجید کے کسی حصے کی خصوصیت نہ کرنا اور ہزارہا اشخاص کو متفرق مقامات سے اپنے مذاق اور ضروریات کے مطابق پڑھنے کا حکم دینا، ایک دل چسپ اور قدرتی طریق میں قرآن مجید کی حفاظت کرنا ہے۔

یہ چند ذرائع بطور مثال کے بیان کئے گئے ہیں جن سے کتاب اللہ کی نقول کی حفاظت کے متعلق رہنمائی ہوتی ہے۔

فصل یازدہم

قرآن مجید کو اصحاب کرام جناب خاتم النبیینؐ سے بطور مذہبی وراثت کے حاصل کرتے رہے۔

اس قصص کے متعلق کچھ لکھنے سے پہلے اُن مخالف جماعتوں کی مختصر کیفیت درج کی جاتی ہے جو قرآن مجید کے نازل ہونے کے زمانے میں جناب خاتم النبیین کے گرد وپیش تھیں، اور جن کی تمام کوشش یہ تھی کہ اسلام کی روز افزوں ترقی بند ہو، اور اہل عالم اس نور کی روشنی سے اپنے اعمالِ قبیحہ پر آگاہ نہ ہو سکیں، اور اس طرح بہ فسق و فجور کی ناپاک زندگی کو تاریکی کے پردے میں گزار دیں۔ اِن جماعتوں کی ایک تقسیم حسب ذیل ہے۔

جماعتِ اوّل

اس گروہ میں وہ لوگ داخل تھے جن کا مقصد یہ تھا کہ مسلمین کی جماعت میں تفرقہ ڈالیں، اس غرض کے پورا کرنے کے واسطے وہ پوری کوشش سے ہر قسم کے وسائل مہیا کرتے تھے۔ دیکھو آیاتِ ذیل

(۱) وَ اِذَا جَآءُوۡكُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا وَ قَدۡ دَّخَلُوۡا بِالۡكُفۡرِ وَ هُمۡ قَدۡ خَرَجُوۡا بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا كَانُوۡا يَكۡتُمُوۡنَ ۝ ۵/۶۱ پ ۶ ع ۱۳

اور جب وہ تمہارے پاس آئے انھوں نے کہا ہم ایمان لائے اور بے شک وہ کفر کے ساتھ داخل ہوئے اور کفر کے ساتھ نکلے اور اللہ اُن باتوں کو اچھا جانتا ہے جن کو وہ چھپاتے ہیں

(۲) وَ يَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمۡ لَمِنۡكُمۡ ؕ وَمَا هُمۡ مِّنۡكُمۡ وَلٰـكِنَّهُمۡ قَوۡمٌ يَّفۡرَقُوۡنَ

۹/۵۶ پ ۱۰ ع ۱۳

اور وہ اللہ کی قسم اٹھاتے ہیں کہ بے شک وہ تم میں سے ہیں اور وہ تم میں سے نہیں ہیں۔ لیکن وہ ایک جماعت ہے کہ پراگندہ کرتی ہے (مسلمانوں کو)

(۳) اَلۡمُنٰفِقُوۡنَ وَ الۡمُنٰفِقٰتُ بَعۡضُهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ‌ۘ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمُنۡكَرِ وَ يَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمَعۡرُوۡفِ الخ ۹/۶۷ پ ۱۰ ع ۱۵

منافق مرد اور منافق عورتیں بعض ان کے بعض کے (رفیق) ہیں، یہ لوگ بُرائی کا حکم کرتے ہیں اور نیکی سے منع کرتے ہیں۔

(۴) وَ مِمَّنۡ حَوۡلَـكُمۡ مِّنَ الۡاَعۡرَابِ مُنٰفِقُوۡنَ‌ ؕ وَمِنۡ اَهۡلِ الۡمَدِيۡنَةِ مَرَدُوۡا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعۡلَمُهُمۡ‌ ؕ نَحۡنُ نَعۡلَمُهُمۡ ۹/۱۰۱ پ ۱۱ ع ۲

اور ان دیہاتی لوگوں میں سے جو تمہارے ارد گرد ہیں بعض منافق ہیں اور اہلِ مدینہ میں سے بعض نفاق پر قائم ہیں تو اُن کو نہیں جانتا ہم جانتے ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوگا کہ ایک فرقہ مخالفین نے یہ شیوہ اختیار کر رکھا تھا کہ وہ جماعت مسلمین کے ساتھ آمد و رفت رکھتے

تھے اپنے آپ کو مومن ظاہر کرتے تھے، اور ضرورت پر اس دعوے کی تصدیق کے واسطے حلف بھی اٹھا لیتے تھے۔ اس طرح پر اعتبار پیدا کرنے کے بعد آہستہ آہستہ وہ عام لوگوں کو بری باتوں کے کرنے اور نیک باتوں کے چھوڑنے کی ترغیب دیتے تھے۔

مخالفین کی یہہ دھیمی اور گہری چال جس طریق پر کام کر رہی تھی اس سے آگاہی حاصل کرنا نہایت مشکل امر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس خفیہ سازش سے جناب ممدوح کو اطلاع بخشی اور یہہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس کام میں اہل مدینہ اور نواح مدینہ کے لوگ شامل ہیں جن کو تو نہیں جانتا ہم جانتے ہیں۔

جماعت دوم

اس گروہ کا مقصد یہ تھا کہ دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر دیگر مومنین کی طرح قرآن مجید کی سماعت اور اطاعت کا اقرار کیا جائے تاکہ بدگمانی سے بچے رہیں اور اپنی خانگی مجالس میں منصوبہ ہائے ذیل کے پورا کرنے کی تدابیر کی جائیں۔

ا۔ جماعت اوّل کی مدد سے عام لوگوں میں اُن امور کی روایت کا سلسلہ جاری کیا جائے جو غیر قرآن یا خلاف قرآن ہیں۔

ب۔ خود جناب ممدوح کو ضرر کی دھمکی دی جائے تاکہ کتاب اللہ کی تبلیغ بند ہو جائے۔ دیکھو آیات ذیل۔

(۵) وَ يَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۚ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۚ وَ اللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝ (۸۱-۸۲) پ ۵ ع ۸

اور اقرار کرتے اطاعت کا، پھر جب تیرے پاس سے باہر جاتے ہیں۔ ایک جماعت رات کو سوچتی ہے اس کے سوا جو تو کہتا ہے اور اللہ لکھ دیتا ہے جو کچھ وہ سوچتے ہیں پھر تو اُن سے توجہ اٹھا لے اور اللہ پر توکل (بھروسہ) کر اور اللہ (اُن کو) کافی دیکھنے والا ہے کیا وہ قرآن پر غور نہیں کرتے اگر وہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے۔

(۶) وَ لَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ۚ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ۚ وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ ۱۱۳ پ ۵ ع ۱۴

اور اگر تجھ پر (اے رسول) اللہ کا فضل اور رحم نہ ہوتا تو ان میں سے ایک جماعت تیرے گمراہ کرنے کا پختہ ارادہ کر چکی تھی اور یہ لوگ نہیں گمراہ کرتے مگر اپنے آپ کو اور تجھ کو کچھ ضرر نہیں پہنچاتے۔ اور اللہ نے تجھ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور تجھ کو وہ کچھ سکھلایا ہے جو تو نہیں جانتا تھا اور تجھ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔

آیات نمبر ۵، ۶، سے اس مقام پر اس امر کا ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ایسے نازک وقت میں اُن تمام بیانات کی نسبت جن کو مستقل طور پر

مخالفین نے اسلامی لباس میں بطور مذہبی امور کے روایت کرنا شروع کیا تھا قرآن مجید نے کیا فیصلہ دیا اور مذہب اسلام کی حفاظت کا کیا انتظام فرمایا۔

آیت نمبر (۵) کے آخری حصہ میں واضح طور پر بتلا دیا گیا ہے کہ ایسی روایات ناقابلِ وقعت اور ناقابلِ توجہ ہیں، اور ان سے مذہب اسلام میں کوئی تفرقہ نہیں پڑ سکتا، کیونکہ مومنین کے ایمان کا مدار قرآن مجید پر ہے جو تمام اختلافات سے پاک ہے، اور یہی اس کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہے۔

آیت نمبر (۶) کے آخری حصہ میں ہے کہ قرآن مجید ایک پُر حکمت کتاب کی شکل میں ترتیب پا رہا ہے، جو انسانوں کے لئے فضلِ عظیم کا موجب ہے، اسی وجہ سے شریروں کی منصوبہ بازی مذہب اسلام اور قرآن مجید کے خلاف کارگر نہیں ہو سکتی۔

ان دونوں جماعتوں کی اس عظیم الشان کوشش سے جو غرض تھی اس کو پوری وضاحت کے ساتھ آیاتِ ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔

(۷) وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً ۸۹/۴ پ ۵ ع ۹

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہوتے جیسے وہ کافر ہیں پھر تم سب ایک حالت میں ہوتے۔

(۸) يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ۸/۶۱ پ ۲۸ ع ۹

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی زبانی باتوں سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے گو کہ کافروں کو ناگوار ہو۔

آیت نمبر (۷) میں بتلایا گیا ہے کہ کفار مومنوں کو کافر بنانا چاہتے ہیں تاکہ وہ فسق و فجور کی زندگی میں کفار کے برابر ہو جائیں اور اپنے ناجائز افعال کو نکتہ چینی کی زد سے محفوظ رکھیں۔

آیت نمبر (۸) میں ہے کہ کفار اللہ تعالیٰ کے نور (کتاب اللہ) کو اپنی زبانی روایات کے ذریعے سے بجھانا چاہتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ اس نور (کتاب اللہ) کو پورا کرے گا گو کفار کو یہ کیسا ہی ناگوار ہو۔

گردوپیش کے ان خطرناک حالات میں مذہب اسلام کی حفاظت کا اسی طریق سے انتظام ہو سکتا تھا کہ صرف قرآن مجید کی جمعیت اور ترتیب کی بصورتِ کتاب حفاظت ہو، اور اس موتیوں کی لڑی کو بکھیر کر محض روایات[1] کے بھروسہ پر نہ چھوڑا جائے، کیونکہ روایات کی کیفیت دربارِ رسالت میں بذریعہ وحی موصول ہو چکی تھی جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

---

[1] روایات سے مراد ہے کسی بات کے مفہوم کو (الفاظ کو نہیں بلکہ مفہوم کو) زبانی آگے منتقل کرنا۔ (طلوعِ اسلام)

صرف اسی تدبیر سے یہ امانتِ الٰہی (کتابِ مبین) مخاطبین اوّل اور آنے والی نسلوں کو پوری احتیاط سے پہنچ سکتی تھی، اور صرف اسی صورت میں اُس فرض کی پوری تعمیل ہو سکتی تھی جس کا ذکر آیت ذیل میں ہے۔

(۹) يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ۭ ﴿۶۷﴾ پ ۶ ع ۱۴

اے رسول پہنچا دے جو تیری طرف نازل ہوا ہے۔ تیرے رب سے، اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے اپنی رسالت کی تبلیغ نہ کی

اس آیت میں مَآ اُنْزِلَ سے مراد قرآن مجید ہے آیت میں حرف مَا عام پڑا ہوا ہے جس میں قرآن مجید کی ہر قسم کی حقیقت شامل ہے۔ جمعیت ہو یا کتابت یا ترتیب وغیرہ وغیرہ ظاہر ہے کہ ایسے تبلیغی فرض کا سوائے جناب خاتم النبیین کے کوئی دوسرا شخص جواب دہ نہیں ہو سکتا کیونکہ فرض کی عدم تعمیل میں جو تہدید واقع ہوئی ہے یعنی مَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ اس سے سوائے جناب ممدوح کے کوئی دوسرا شخص اثر پذیر نہیں ہو سکتا۔

اب وہ آیات درج کی جاتی ہیں جن سے معلوم ہو گا کہ جماعت مومنین کے ہاتھوں میں یہ کتاب (قرآن مجید) بطور مذہبی وراثت کے پہنچی گئی یہ وراثت اور تبلیغ وراثت اسی قسم کی تھی جیسے بنی اسرائیل نے تورات جناب موسیٰ علیہ السلام سے حاصل کی تھی۔ دیکھو آیات ذیل۔

(۱۰) اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ڏ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۝ $\frac{۴۳}{۱۵-۱۶}$ پ ۲۹ ع ۱۳

بے شک ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا ہے تم پر گواہی دینے والا جیسا ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔

اس آیت سے صرف اس قدر ظاہر کرنا مقصود ہے کہ جناب خاتم النبیین مثیل موسیٰ علیہ السلام تھے اور جس طرح جناب موسیٰؑ نے اپنی کتاب بنی اسرائیل کو پہنچا دی اسی طرح بوجہ اکمل و اتم جناب ممدوح کا بھی فرض تھا کہ قرآن مجید شاہدین اولین کو پہنچاتے جس کا حکم آیت کریمہ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ سے بھی بصراحت ملتا ہے۔

(۱۱) وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۝ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا الخ $\frac{۳۵}{۲۹-۲۸}$ پ ۲۲ ع ۱۶

اور جو کچھ ہم نے تیری طرف کتاب سے وحی کی وہ حق ہے تصدیق کرنے والی ہے اُس چیز کی جو اُس کے سامنے ہے، بے شک اللہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا ان کو دیکھنے والا ہے پھر ہم نے اس کتاب کا اُن لوگوں کو وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے انتخاب کیا۔

ان آیات سے اس امر کی شہادت ملتی ہے، کہ تبلیغ کتاب اللہ اور اقتداءِ سُنن انبیاء اللہ کا فرض اس طرح پورا ہوتا گیا کہ جناب ممدوح اپنی حیاتِ مبارک میں قرآن مجید کو بطور مذہبی وراثت کے اصحاب کرام کے ہاتھوں میں دیتے رہے۔

(۱۲) وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْهُدٰی وَ اَوْرَثْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ ۝ هُدًی وَّ ذِكْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ (مومن) پ ۲۴ ع ۱۱

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو ہدایت دی اور بنی اسرائیل کو کتاب (تورات) کا وارث بنایا جو داناؤں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے

ان آیات سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ جناب موسیٰؑ کی کتاب بنی اسرائیل کو مذہبی وراثت کی شکل میں ملی تھی۔

آیاتِ مذکورہ بالا سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ تبلیغ کتاب اللہ میں جو طریق جناب موسیٰؑ نے اختیار کیا تھا وہی طریق جناب ممدوح نے بھی اختیار کیا اور اُسی طریق پر وُرثا اور شہداء کتاب اللہ کا انتخاب ہوا۔

فصل دوازدہم

اصحاب کرامؓ کو قرآن مجید تفویض کرنے کے وقت شہداء کتاب اللہ قرار دیا گیا۔

قرآن مجید میں اُن لوگوں کو جو اُس کے وارث ہوئے شہداء کتاب اللہ کے معزز لقب سے ممتاز کیا گیا ہے۔ اس اعزاز کے عطا کئے جانے کی بابت کئی ایک مقامات میں ایک دل چسپ سلسلہ آیات کا ہے جس سے ارباب بصیرت اس امر کے متعلق پوری آگاہی حاصل کر سکتے ہیں، اس مقام پر اُن میں سے چند آیات درج کی جاتی ہیں۔

(۱) قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ (انعام) پ ۷ ع ۸

کہہ دے (اے رسول) کونسی شہادت سب سے بڑی ہے کہہ دے اللہ مجھ میں اور تم میں شاہد ہے (اس امر کا کہ مجھ کو قرآن دیا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعے سے تم کو آگاہ کردوں اور اُن کو جن کے پاس اس کی خبر پہنچے۔

(۲) وَ یَوْمَ نَبْعَثُ فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا عَلَیْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَ جِئْنَا بِكَ

شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّرَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ $\frac{16}{89}$ پ ۱۴ ع ۱۸

اور اُس دن ہم ہر ایک اُمت میں ایک گواہ انھیں میں سے اُن پر اُٹھائیں گے، اور تجھ کو (اے رسول) اُن لوگوں پر گواہ لائیں گے (اس امر کا، کہ ہم نے نازل کی ہے تجھ پر کتاب ہر ایک امر بیان کرنے والی اور اسلام لانے والوں کے واسطے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔

(۳) يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝ $\frac{33}{45}$ پ ۲۲ ع ۳

اے نبی بے شک ہم نے تجھ کو گواہ بنا کر بھیجا ہے بشارت دینے والا اور آگاہ کرنے والا۔

آیت نمبر (۱) میں ہے کہ قرآن مجید کا سب سے بڑا شاہد خود اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ شہادت ہر زمانہ میں افعال الٰہی یعنی قوانین قدرت اور انسانی فطرت سے اقوال الٰہی پر مل رہی ہے

آیت نمبر (۲) میں ہے کہ ایک دن سب اُمتیں اپنے اپنے شاہدوں کے ساتھ اٹھیں گی، اسی دن (اے رسول) تجھ کو بھی جماعت مسلمین پر بطور شاہد کے طلب کیا جائے گا، کیونکہ ہم نے تجھ کو ایک کتاب عطا کی ہے جس میں اُن سب امور کا بیان ہے جو تسلیم کرنے والے انسان کو ہدایت رحمت اور بشارت حاصل کرنے کے واسطے ضروری ہیں۔

آیت نمبر (۳) میں جناب ممدوح کو منصب نبوت کے علاوہ شاہد کے منصب سے بھی یاد فرمایا گیا ہے۔

آیت نمبر (۱ و ۲) میں شہادت کے ذکر کے بعد الفاظ ذیل واقع ہوئے ہیں۔ وَ اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ ۔ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ ۔ دونوں کے ابتدا میں حرف واو ہے جو مضمون شہادت کی تفسیر کرتا ہے، یعنی وہ قرآن مجید جو منزل من اللہ ہے اور جس میں انسانی ہدایت کے واسطے تمام امور کا بیان ہے اُس کے من جانب اللہ ہونے کی اور تمہارے بصورت کتاب درتمہار کتاب اللہ کو پہنچا دیئے جانے کی شہادت کا ادا کرنا تمھارے ذمہ ہے۔ یہ شہادت اسی دن ہوگی جب تمام جماعت مخاطبین اوّل کی بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوگی

ہر سہ آیات مذکورۂ بالا میں جناب ممدوح کی شخصی حیثیت کا ذکر تھا اور انھیں کی ذات بابرکات مخاطب تھی مگر آیندہ آیات سے معلوم ہوگا کہ کس لطیف طرز میں اس شخصی حیثیت کو جماعت مسلمین کی مجموعی حیثیت میں منتقل کرنے کی مضبوط بنیاد قائم کی گئی تاکہ جناب ممدوح کے اس دار ناپائیدار سے رحلت فرما ہونے کے بعد مسلمین کی جماعت پر اس کتاب اللہ کی شہادت ادا کرنے کے جو فرائض قائم ہونے والے تھے، اُن کی صراحت ہو جائے۔ اس کے متعلق دیکھو آیات ذیل

(۴) وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا $\frac{2}{137}$ پ ۲ ع ۱

اور اسی طرح ہم نے تم کو امت وسط (درمیانی جماعت) قرار دیا ہے تاکہ تم آنے والے لوگوں پر تبلیغ قرآن کے گواہ ہو اور رسول

امر کا) یہ رسول تم پر گواہ ہو۔

(۵) وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ
الْمُنْكَرِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا
مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ۱۰۴-۱۰۵/۳ پ ۴ ع ۲

اور تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہیئے۔ لوگوں کو کتاب اللہ کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کو کہے اور بُرے کاموں سے منع کرے، اور یہی لوگ ہیں نجات پانے والے اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو متفرق ہو گئے بعد اس کے کہ ان کے پاس آیات بینات آئیں اور انہیں لوگوں کے واسطے بڑا عذاب ہے۔

(۶) وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ
مِنْكُمْ شُهَدَآءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۱۴۰/۳ پ ۴ ع ۵

اور یہی دن ہیں جن کو ہم لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں تاکہ اللہ ممتاز کرے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انتخاب کرے تم میں سے شاہد اور اللہ ظالموں سے محبت نہیں رکھتا۔

آیت نمبر(۴) میں مخاطبین اوّل کو خصوصیت کے ساتھ اُمّتِ وسط قرار دیا ہے تاکہ وہ آیندہ نسلوں پر قرآن مجید کے کتاب اللہ ہونے کی شہادت دیں، جن کی شہادت حقہ خود جنابِ ممدوح نے اُن کے سامنے ادا کی، اور جس طرح یہ قرآن مجید ان کو وراثتاً تفویض ہوا اسی طرح انھوں نے اس امانت کو اس کے آیندہ حقداروں کے سپرد کیا۔

آیت نمبر(۵) میں ہے کہ اس شہادت کے ادا کرنے کے لئے ابنائے اسلام میں جماعتیں مقرر ہونی چاہئیں، جو کتاب اللہ کی دعوت کریں، امر بمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کریں، ساتھ ہی نہایت تاکید سے حکم ہوا ہے، کہ ان اُمتوں کی طرح نہ ہو جانا جو کتاب اللہ جیسی نعمت حاصل کرنے کے بعد اس سے دُور جا پڑے، اور عذابِ عظیم کے سزاوار ہوئے۔

آیت نمبر(۶) میں ہے کہ اس زمانِ سعادت اقتران میں اللہ تعالےٰ کو یہ منظور ہے کہ جماعتِ مومنین میں سے شہداء کتاب اللہ کا انتخاب کرے، اور انھیں کے سر پر یہ عزت کا تاج رکھا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اُن کو ناپسند کرتا ہے جو ظالم ہیں، یعنی اللہ کی کتاب کو اپنا دستور العمل نہیں بناتے اور پس پشت ڈال دیتے ہیں۔

اصحابِ کرام کا یہ منصب بعینہٖ اسی منصب کے مشابہ تھا جو اہلِ کتاب کو آیندہ نسلوں پر اپنی اپنی کتاب کی شہادت ادا کرنے کا عطا ہوا تھا۔ دیکھو اس کے متعلق آیاتِ ذیل۔

(۷) يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ ۷۰/۳ پ ۳ ع ۱۵

اے اہل کتاب تم کیوں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہو اور تم تو خود شاہد ہو۔

(۸) وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا

تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ○ ۱۸۷/۳ پ ۴ ع ۱۰

اور جب اللہ نے اس امر کا ان لوگوں سے عہد لیا جن کو کتاب دی گئی تھی کہ وہ اس کتاب کو لوگوں کے سامنے بیان کریں گے اور اس کو نہ چھپائیں گے پھر اس کو انھوں نے اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا اور اس کے بدلے میں تھوڑا معاوضہ لیا۔ پھر بُرا ہے جو کچھ وہ حاصل کرتے ہیں۔

آیت نمبر (۷) سے معلوم ہو گا کہ اہلِ کتاب کو اُن کے حقیقی منصب شہداء کتاب اللہ کی طرف توجہ دلائی گئی تھی جس کی رُو سے انھیں قرآن مجید کا قبول کرنا لازم تھا۔

آیت نمبر (۸) میں اُن کو پھر اس عہد کی طرف متوجہ کیا گیا جس کی رُو سے اُن پر یہ فرض قائم کیا گیا تھا کہ وہ کتاب اللہ کو بلا کم و کاست آیندہ نسلوں پر بیان کر دیں۔ مگر افسوس کہ اس جماعت نے تھوڑے لالچ کی وجہ سے اس وفاء عہد کے بوجھ کو اپنے سر سے اُتار دیا۔ اور اس سے بے خبر ہو گئے۔

(۹) اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ○ ۴۴/۵ پ ۶ ع ۱۱

بے شک ہم نے تورات نازل کی ہے اس میں ہدایت اور نور ہے اللہ کے فرماں برداری اُسی کے مطابق یہودیوں میں حکم کہتے رہے اور اہلُ اللہ اور عالم بھی اُسی اللہ کی کتاب سے اپنے یاد کے مطابق حکم کرتے رہے اور وہ اس کتاب پر شاہد (گواہ) تھے۔

اس مقام پر آیت کے صرف آخری حصّہ کو اس شہادت میں پیش کیا جاتا ہے، کہ اہلِ کتاب کے علماء کو بھی شہداء کتاب اللہ کے معزز لقب سے ملقب کیا گیا ہے۔ علماء مذکور کا یہ منصب بھی صرف اسی حد تک محدود تھا کہ وہ کتاب اللہ سے حکم کریں اور بس۔

اسی سلسلہ میں وہ آیات درج کی جاتی ہیں جن میں ایسی شہادت کے چھپانے کے نتائج مرقوم ہیں۔

(۱۰) وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ ۱۴۰/۲ پ ۱ ع ۱۶

اور کون اس شخص سے بڑھ کر ظالم ہے جو اس شہادت کو چھپائے جو اللہ کی طرف سے اس کے پاس ہے اور اللہ تمھارے عملوں سے غافل نہیں ہے۔

(۱۱) اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ○ ۱۵۹/۲ پ ۲ ع ۳

بے شک جو لوگ اس امر کو چھپاتے ہیں جو ہم نے آیات بیّنات اور ہدایت سے نازل کیا ہے۔ بعد اس کے کہ ہم نے لوگوں کو کھول کر اس کتاب (قرآن مجید) میں تبلادیا ہے یہی لوگ ہیں جن پر اللہ اور قوم دونوں لعنت کرتے ہیں۔

(۱۲) اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ۲/۱۷۴ پ ۲ ع ۵

بے شک جو لوگ اس امر کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے کتاب سے نازل کیا اور اس کے بدلے میں تھوڑا مول لیتے ہیں یہی لوگ ہیں جو نہیں کھاتے اپنے پیٹوں میں مگر آگ، اور نہ ان سے اللہ کلام کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے واسطے دردناک عذاب ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوگا کہ کتاب اللہ کے کسی حصہ کی شہادت چھپانے والے بہت بڑے ظالم ہیں، اور ان پر قومی لعنت برستی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ زندہ ایمان رکھنے والی قوم ہمیشہ ان کی مصاحبت کو ناپسند کرتی ہے۔ ایسے ناپاک افعال یا ترکِ افعال کے ذریعے سے زندگی بسر کرنا اپنے پیٹوں میں آگ کا ذخیرہ جمع کرنا ہے، ایسے لوگ قیامت کے دن ربّ العزت کے حضور میں شرفِ مکالمت سے محروم ہوں گے، اور اس دنیا میں بھی ان کو حقیقی پاکیزگی حاصل نہیں ہوگی، اور انہیں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

آیت نمبر ۱۱ میں اس امر کا قطعی فیصلہ کیا گیا ہے کہ شہادت سے انہیں آیاتِ بیّنات کی شہادت مراد ہے جو بصورتِ کتاب رکھی جاتی تھیں، اور اسی کتمانِ شہادت سے انسان اللہ تعالیٰ کے غضب اور قومی لعنت کا مورد ہو جاتا ہے۔

فصل سیزدہم

قرآن مجید ایک کامل کتاب ہے

قرآن مجید کو ایک جامع کتاب کی حیثیت میں دیکھنے اور اس کے سلسلۂ مضامین پر غور کرنے سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے، کہ اس کی ترتیب میں ہر موقع پر انسان کا قدرتی مذاق ملحوظ رکھا گیا ہے، اس مقام پر اس کی ابتدا اور انتہا کی باہمی مناسبت کے ذکر پر

اکتفا کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت کا نام الحمد ہے جس میں مختصر اور نہایت جامع الفاظ میں یہ عملی سبق دیا گیا ہے کہ انسان کو تلاوت کتاب اللہ سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد ادا کرنا، اس کی عظمت وجلالت کا اظہار کرنا، اسی کو اپنا معبود و مستعان قرار دینا، اسی سے صراط مستقیم کی ہدایت مانگنا، مومنین کاملین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مانگنا باقی راہوں سے بچنے کا آرزومند ہونا نہایت ضروری ہے۔

یہ سورت بلحاظ اپنے اعلیٰ مضامین کے اس امر کی پوری قابلیت رکھتی ہے، کہ ہر ایک فرقہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات جامع کمالات پر ایمان رکھتا ہے، اس کو اپنا دستور العمل بنائے سورت مذکور حسب ذیل ہے۔

(۱) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

(ترجمہ) اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان بڑا رحم والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ○

ہر ایک قسم کی بڑائی اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ بڑا مہربان بڑے رحم والا ہے۔ قیامت کے دن کا مالک ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ ہم کو سیدھی راہ پر چلا۔ ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا۔ نہ ان لوگوں کی راہ جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کی راہ۔

اس سورت کی آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ نہایت دلربا طریق ادا کے ساتھ سورت کے وسط میں واقع ہوئی ہے، اور اس مقصد عظیم کی طرف توجہ دلاتی ہے جس کے سبب سے یہ سورت قرآن مجید کے ابتدا میں مرقوم ہے۔ انسان طوعاً وکرہاً صراط مستقیم کا محتاج ہے وہ اپنے دل سے اسی مفہوم کے ساتھ اور زبان سے انہیں الفاظ یا ان کے مترادف الفاظ کے ساتھ اپنی اصلی پیاس بجھانے کے واسطے ربّ العٰلمین سے آب حیات کا آرزومند ہو سکتا ہے۔ وہ قرآن مجید کو ہاتھ میں لے کر سورۂ الحمد پر چند لمحہ غور کرنے سے معلوم کر لیتا ہے، کہ اس کی محتاج روح کو ربّ العالمین کی حضور میں اسی شکل سے اپنی درخواست پیش کرنی چاہیئے، جو اس کو سعادت حاصل کرنے کے واسطے پورے طور پر تیار کرتی ہے۔ وہ انکشاف حقیقت کی غرض سے آگے بڑھتا ہے، اور آخر کار جلد معلوم کر لیتا ہے، کہ انسان کی یہ دعا قابل اجابت ہے، اور تمام قرآن مجید اسی کی قبولیت کی شہادت ہے جس دشوار گزار راہ نے انسان کو حیران کر رکھا ہے قرآن مجید نے اسی کڑی منزل کو آسان کر دیا ہے، اس مقام پر کثیر التعداد آیات میں سے صرف چند درج کی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ انسان کی اس آرزو کو اس رحمٰن معلّم قرآن نے کیونکر پورا کیا ہے۔

(۲) وَ مَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ھُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ ۳/۱۰۱ پ۴ ع۱

اور جس نے نگاہ رکھا اللہ (کی کلام) کو تو بے شک اس کو سیدھا راستہ بتایا گیا۔

(۳) اَلَمْ اَعْھَدْ اِلَیْکُمْ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِیْ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝ ۳۶/۶۱ پ۲۳ ع۴

اے آدم کی اولاد کیا میں نے تم سے عہد نہیں کیا۔ کہ شیطان کی عبادت نہ کرو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ میری عبادت کرو یہ صراطِ مستقیم (سیدھی راہ) ہے

(۴) وَ اِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ صِرَاطِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ اَلَآ اِلَی اللّٰہِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ ۝ ۴۲/۵۳ پ۲۵ ع۶

اور (اے رسول) بے شک تو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرتا ہے اُس اللہ کی راہ کی طرف جو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا مالک ہے۔ آگاہ ہو جا کہ تمام کام اللہ ہی کی طرف پھر آئیں گے۔

آیت نمبر (۲) میں اجمالاً بیان ہوا ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کر لیا یعنی اُس کے کلام کو مدِّ نظر رکھا اُس کو صراطِ مستقیم کی راہ نمائی ہو گئی۔

آیت نمبر (۳) میں تفصیلاً مرقوم ہے کہ شیطان دشمن انسان کی عبادت نہ کرنا اور خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اسی کا نام صراطِ مستقیم ہے۔

آیت نمبر (۴) میں مزید وضاحت کے ساتھ جناب خاتم النبیین کو ارشاد ہوا ہے کہ صراطِ مستقیم وہی ہے جس کی طرف لوگوں کو آپ ہدایت کرتے ہیں اور یہی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے اور اُس کی حضور میں حاضر ہونے کی راہ ہے۔ انسان کے درد دل کا علاج بتلا دینے اور مختلف طریقوں سے اس کے ذہن نشین کرا دینے کے بعد اس سے فائدہ اٹھانا بالکل اُس کی اپنی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ دیکھو آیاتِ ذیل۔

(۵) قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنِ اھْتَدٰی فَاِنَّمَا یَھْتَدِیْ لِنَفْسِہٖ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْھَا وَ مَآ اَنَا عَلَیْکُمْ بِوَکِیْلٍ ۝

۱۰/۱۰۸ پ۱۱ ع۱۶

کہہ دے (اے رسول) بے شک تمہارے پاس الحق (قرآن مجید) تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے پس جس نے ہدایت پائی اُس نے اپنے ہی فائدے کے لئے ہدایت پائی، اور جو گمراہ ہوا اُس نے اپنا ہی نقصان کیا۔ اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں۔

(۶) وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ ۝ ۱۸/۲۹ پ۱۵ ع۱۶

اور کہہ دے (اے رسول) کہ الحق (قرآن مجید) تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ پھر جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے انکار کرے۔

(۷) إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ۝ ۷۶/۳ پ ۲۹- ع ۱۹

ہم نے انسان کو سیدھی راہ کی ہدایت کر دی ہے، چاہے شکر گزار اور چاہے ناشکرا ہو۔

آیت نمبر (۵) میں صراحت سے بتلایا گیا ہے کہ قرآن مجید پر عمل کرنے میں انسان کا اپنا فائدہ ہے اور اس کو ترک کرنے سے اس کا اپنا نقصان ہے، اور قرآن مجید کا نوعِ انسان کے واسطے مفید دستور العمل ہونا ہی اس کی صداقت کی شہادت ہے۔

آیت نمبر (۶، ۷) میں بیان ہوا ہے کہ صراطِ مستقیم بتلا دینے کے بعد یہ امر انسان کی آزاد مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ ایمان لا کر اس راہ نمائی کا شکر گزار رہو یا انکار کر کے کفرانِ نعمت کرے۔

اس سورت میں انسان کو دُعا سے پہلے طریقِ حمد کی بھی تعلیم دی گئی ہے اور دعا کو حمد کے بعد اسی انداز میں ادا کرنے کا حکم قرآن مجید کی آیتِ ذیل سے پایا جاتا ہے۔

(۸) هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ ۴۰/۶۵ پ ۲۴ ع ۱۳

وہ (اللہ) زندہ ہے کوئی اور معبود نہیں مگر وہی۔ بس اسی کو پکارو خالص دین دار ہو کر (کیونکہ) ہر ایک قسم کی بڑائی اللہ کے واسطے ہے جو تمام جہان کا پالنے والا ہے۔

آیت کے الفاظ: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" سے پوری سورۃ الحمد کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ جو ایک جامع دُعا کی حیثیت میں کتاب اللہ کے ابتدا میں مرقوم ہے اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کے واسطے اس سے بہتر کوئی دُعا نہیں ہو سکتی۔

اصل مقصود آیت سے یہ ہے کہ انسان کو حقیقی سعادت اس دُعا سے اُس وقت حاصل ہو سکتی ہے کہ اُس کے دل سے غیر اللہ کی عظمت دُور ہو جائے اور وہ خالص دل لے کر اللہ تعالیٰ کی حضور میں حاضر ہو کیونکہ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا معبود ہے اور اُس کے سوائے سب فنا ہونے والے ہیں۔

قرآن مجید کی دوسری سُورت کا پہلا خطبہ جس نے بُت پرست ملکِ عرب میں کھلبلی مچا دی، اور اہلِ عالم کو خوابِ غفلت سے جگا دیا حسبِ ذیل ہے۔

(۹) يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ

اَنۡدَادًا وَّاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ○ ۲/۱۹-۲۰ پ ۱ ع ۳

اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو، رب وہ ہے جس نے تمھارے واسطے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا، اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اُس سے تمھارے کھانے کے واسطے پھل اُگائے، پس اللہ کے برابر کسی کو مت بناؤ، اور یہ (سب باتیں) تم جانتے ہو۔

اس عظیم الشان خطبہ میں بتلایا گیا ہے کہ عبادت کے لائق وہی رب العالمین ہے جس نے

ا- تم کو اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا۔

ب- ساری زمین کو تمھارا قیام گاہ اور آسمان کو ڈیرہ بنایا۔

ج- بادلوں سے پانی برسا کر تمھارے لیئے پیداوار سے رزق مہیا کیا۔

ان قدرتی مشاہدات کے پیش کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے، کہ ان تمام حالات سے تم آگاہ ہو، اور انکار نہیں کر سکتے کہ ان عظیم الشان طاقتوں کا مالک وہی قادر مطلق ہے، اُس کے جلال کی واقعی عزت اسی میں ہے، کہ تم کسی کام میں اس کا شریک نہ بناؤ۔

مشرکین کے لیئے کوئی آواز اس سے زیادہ تعجب خیز اور حیرت انگیز نہ تھی، کہ ان کو متفرق معبودوں سے پھیر کر اللہ تعالیٰ کی ذات احد کی طرف بلایا گیا۔ دیکھو آیت ذیل۔

(۱۰) وَعَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَهُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡهُمۡ وَقَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۚۖ
اَجَعَلَ الۡاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیۡءٌ عُجَابٌ ○ ۳۸/۴-۵ پ ۲۳ ع ۱۰

اور ان لوگوں نے تعجب کیا کہ ان کے پاس کوئی آگاہ کرنے والا انھیں میں سے آئے، اور کافروں نے کہہ دیا کہ یہ جادوگر بڑا جھوٹ بولنے والا ہے، اس نے سب معبودوں کے مقابلہ میں ایک معبود قرار دے لیا ہے، بے شک یہ ایک عجیب بات ہے۔

قرآن مجید نے اسی خطبہ کو اصل دین قرار دیا، اور بتلا دیا کہ یہی صراط مستقیم ہے جس پر چل کر انسان کبھی گمراہ نہیں ہوتا۔ دیکھو آیات ذیل۔

(۱۱) لَاۤ اِكۡرَاهَ فِی الدِّیۡنِ ۙ قَدۡ تَّبَیَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَیِّ ۚ فَمَنۡ یَّكۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ
وَیُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰی ٭ لَا انۡفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ
سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ○ ۲/۲۵۶ پ ۳ ع ۲

دین میں زبردستی نہیں ہے، بلاشبہ گمراہی سے ہدایت کھلے طور پر ظاہر ہو گئی ہے۔ پھر جو غیر اللہ کی عبادت سے انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے، تو بے شک اس نے مضبوط ذریعہ پکڑ لیا جس کے لیئے ٹوٹنا نہیں ہے، اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

(۱۲) وَمَنۡ یُّسۡلِمۡ وَجۡهَهٗۤ اِلَی اللّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ
الۡوُثۡقٰی ؕ وَاِلَی اللّٰهِ عَاقِبَةُ الۡاُمُوۡرِ ○ ۳۱/۲۱ پ ۲۱ ع ۱۲

اور جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دیا اور وہ نیکی کرنے والا ہے پھر بے شک اُس نے ایک مضبوط ذریعہ پکڑ لیا اور اللہ ہی کی طرف سب کاموں کا انجام ہے۔

آیت نمبر (۹) میں خالص رب العالمین کی عبادت اور شرک سے بچنے کا حکم تھا۔

آیت نمبر (۱۱) میں اُسی مفہوم کی تفسیر اس طرح پر کی گئی ہے کہ غیر اللہ کی عبادت سے انکار اور ایمان باللہ کا اقرار ہی اصل دین ہے۔

آیت نمبر (۱۲) میں الفاظ " وَ هُوَ مُحْسِنٌ " کی ایزادی سے مفہوم مذکورہ بالا کو اور بھی واضح کر دیا گیا ہے، کہ اعتقادی امور کے ساتھ عملی زندگی کی بھی ضرورت ہے جو نیکی اور خلوص پر مبنی ہو۔

یہی اصل محکم ہے جس پر شجرِ اسلام قائم ہے اور اسی کے اکمال و اتمام کی عزت قرآن مجید کو عطا ہوئی۔ دیکھو آیت ذیل۔

(۱۳) اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۝ ﷺ پ ۶ ع ۵

آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا، اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا۔ اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام پسند کیا۔

جس عظیم الشان خطبہ سے اس کتاب کی ابتدا ہوئی تھی اُسی پر اس کا خاتمہ ہوا ہے۔ دیکھو سورہ ذیل

(۱۴) قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ ۱۱۲/۱-۴ پ ۳۰ ع ۳۷

کہہ دے (اے رسول) وہ اللہ ایک ہے، تمام مخلوقات کا حاجت روا ہے، نہ اُس نے کسی کو جنا ہے، اور نہ وہ خود جنا گیا ہے، نہ کوئی اور اس کے شان کا ہے۔

اس سورت میں اُسی پہلے خطبہ کو ایک اور انداز میں بیان کیا گیا ہے، یعنی دنیا میں جس رب العالمین کی خالص عبادت قائم کرنے کے واسطے مذہب اسلام کا ظہور ہوا ہے، وہ اللہ تعالیٰ ایک ہے، تمام عالم کا مرجع اور حاجت روا ہے، نہ اُس نے کسی کو جنا ہے، کہ اولاد کی حیثیت میں اس کا وارث ہو، نہ وہ خود جنا گیا ہے کہ موت اس پر وارد ہو، نہ کوئی اس کے شان کا ہے کہ اس کی برابری کا دم مار سکے۔

اس ابتدائی اور انتہائی اتحاد سے عملی صورت میں تبلا دیا گیا ہے کہ اس کے مابین جو امور ہیں، وہ اسی شجر اسلام کی سرسبز شاخیں اور اسی کے خوشنما برگ و بار ہیں۔

اس کے بعد قرآن مجید میں دو سورتیں ہیں جن پر اس کتاب کا خاتمہ ہوا ہے، ان سورتوں کے ذریعے سے یہ عملی سبق دیا گیا ہے کہ قرآن مجید کی قرات کے بعد انسان کو اللہ تعالےٰ کی پناہ میں رہنے کا آرزومند ہونا چاہیئے۔ اس مقام پر سب سے آخری سورت کو

درج کیا جاتا ہے۔ دیکھو سورۃ ذیل۔

(۱۵) بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؎

(ترجمہ) اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان بڑا رحم والا ہے۔

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ؎ مَلِکِ النَّاسِ ؎ اِلٰہِ النَّاسِ ؎ مِنۡ

شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ ؎ الۡخَنَّاسِ ؎ الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ؎

مِنَ الۡجِنَّۃِ وَ النَّاسِ ؎ ۱۱۴ ب ۳۰ ع ۳۹

کہہ دے (اے رسول) میں پناہ چاہتا ہوں انسان کے رب کی۔ انسان کے مالک کی۔ انسان کے معبود کی۔ اس شیطان کے وسوسوں کی برائی سے جو جن و انس میں سے لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔

اس سورت میں تبلایا گیا ہے، کہ انسان کی مخلصی اسی امر میں ہے، کہ وہ اپنے آپ کو، اللہ تعالےٰ کی پناہ میں لے آئے کیوں کہ

اول وہی تمام انسانوں کا حقیقتاً تربیت کرنے والا ہے، مالک ہے، معبود ہے۔

دوم اسی کی پناہ میں رہنے سے انسان شریروں کے وسوسوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

ربّ العالمین کی پناہ میں آنے سے مقصود یہ ہے کہ انسان ہمیشہ اپنے معاملات میں اسی کی پاک کتاب کے زیر سایہ رہے اور اسی کے فیصلے کو بہ طیب خاطر تسلیم کرے۔ زمانِ نزول قرآن مجید میں حاسد اور شریر جماعتوں نے خلاف واقع روایات کے ذریعے سے جو وسوسے پیدا کر دیئے تھے، یا ایسے لوگ آئندہ جو اوہام پیدا کریں، اُن کے بُرے نتائج سے بچنے کا یہی ایک ذریعہ ہے، کہ انسان اپنے آپ کو کلام ربّ النّاس (قرآن مجید) کی پناہ میں کرے۔

اس سورت کا قرآن مجید کے خاتمہ پر ہونا ایسا ہی ضروری تھا جیسا سورۃ اَلۡحَمۡدُ کا اُس کے ابتدا میں ہونا اس ترتیب کی تائید آیت ذیل سے ہوتی ہے۔

(۱۶) فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ؎ ۱۶

ب ۱۴ ع ۱۹

پھر جب تو قرآن پڑھ چکے تو پناہ مانگ ساتھ اللہ کے شیطان مردود سے۔

اس آیت کے ترجمہ میں فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ کے معنے یہ کئے گئے ہیں۔ "پھر جب تو قرآن پڑھ چکے" اس معنی کی تائید قرآن مجید کی بے شمار آیات سے ہوتی ہے جہاں صیغہ ماضی پر اِذَا کا استعمال ہوا ہے۔

اس مقام پر صرف وہ آیتیں بطور مثال کے درج کی جاتی ہیں جو بلحاظ ترتیب الفاظ صیغہ خطاب اور نحوی ترکیب کے اس آیت کے بہت زیادہ مشابہ ہیں۔

(۱۷) وَ شَاوِرۡہُمۡ فِی الۡاَمۡرِ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ

الْمُتَوَكِّلِيْنَ ○ ۳/۱۵۹ پ ۴ ع ۸

اور تو اُن سے کام میں مشورہ کر، پھر جب تو پختہ ارادہ کر لے تو اللہ پر توکل کر، بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

(۱۸) وَ اِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ۶/۶۸ پ ۷ ع ۱۴

اور جب تو اُن لوگوں کو دیکھ لے جو ہماری آیتوں میں خوض (غلط بحث) کرتے ہیں تو اُن سے مُنہ پھیر لے یہاں تک کہ اس کے سوا کسی اور بات میں خوض کرنے لگ جائیں۔

(۱۹) فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَی الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ○ ۲۳/۲۹ پ ۱۸ ع ۲

پس جب تو اور تیرے ساتھی کشتی پر برقرار ہو چکیں پھر کہہ سب قسم کی بڑائی اُسی اللہ کے واسطے ہے جس نے ہم کو ظالموں کی قوم سے نجات دی۔

(۲۰) فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ○ وَ اِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ ○ ۹۴/۸ پ ۳۰ ع ۱۹

پھر جب تو فارغ ہو جائے تو قائم ہو جا اور اپنے رب کی طرف رجوع کر۔

آیت نمبر (۱۷) میں الفاظ وَ شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ مرقوم ہیں جن میں اہل الرائے سے مشورہ کرنے کا حکم ہے، اس کے بعد ارشاد ہوا ہے کہ جب تو پختہ ارادہ کر چکے تو اللہ پر بھروسہ کر بے شک اللہ ایسا بھروسہ رکھنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اگر کسی ارادہ پر قیام اور استحکام نہیں تو توکل کا حکم بیکار ہو جائے گا۔

آیت نمبر (۱۸) میں ہے کہ جب تو اُن لوگوں کو دیکھ لے (یا دیکھ چکے) جو ہماری آیات میں خوض کرتے ہیں، یعنی اصلی مفہوم کو خلط ملط کر دیتے ہیں تو اُن سے مُنہ پھیر لے، یہاں تک کہ وہ اس کے سوا اور باتوں میں خوض کرنے لگیں۔ ایسے لوگوں سے اعراض کا جو حکم ہے وہ رویت سے پہلے عائد نہیں ہو سکتا۔

آیت نمبر (۱۹) میں جناب نوح سلامٌ علیہ کو حکم ہوتا ہے کہ جب تو اور تیرے ساتھی کشتی پر برقرار ہو چکیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر کر جس نے تم کو ظالموں سے نجات دی۔ اس ادائے شکر کی تعمیل اُس وقت تک ہو نہیں سکتی کہ تمام جماعت کشتی پر سوار ہو کر ظالموں کی زد سے نکل جائے۔

آیت نمبر (۲۰) میں ہے کہ جب تو اشغال سے فارغ ہو چکے تو استقلال سے قائم ہو کر اپنے رب کی طرف رجوع کر۔

ان تمام آیات کے سلسلہ طور پر یہی معنی لئے جاتے ہیں جو اوپر مرقوم ہیں کیونکہ سوا اِن معانی کے دوسرے معانی جن سے اُس فعل کا ارادہ مقصود ہو جس پر اِذَا واقع ہوا ہے کبھی راست نہیں آتے۔

آیاتِ مذکورۂ بالا کے آخر میں چونکہ شرطیہ احکام درج ہیں اس واسطے شرائط مندرجہ آیات کا عمل بھی بزبانِ حال یا استقبال ہوگا۔

علاوہ ان آیات کے واقعاتِ ذیل بھی انھیں معنوں کے مؤید ہیں۔

اوّل۔ نظم و ترتیب قرآن مجید میں جو یقیناً من جانب اللہ ہے اس حکم کے طریقِ عمل کا عملی سبق معوذتین سے ملتا ہے جو قرآن مجید کے خاتمہ پر ہیں۔

دوم۔ اگر اس حکم کی تعمیل قرآن مجید کی قراءت شروع کرنے سے پہلے ضروری ہوتی تو لازم تھا کہ ترتیب قرآن مجید میں یہ سورتیں ابتدا میں مرقوم ہوتیں یا کوئی اور الفاظ ہوتے جن سے اس حکم کی تعمیل اسی طرح ہو جاتی جیسے ان دونوں سورتوں کے اخیر میں رکھنے سے ہوئی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

سوم۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں صیغۂ ماضی پر اِذَا کا استعمال ہوا ہے وہاں مصدری معنی کا ارادہ کرنا مقصود نہیں ہے۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

۳۷ / ۱۸۰ — ۱۸۲

قرآنی فکر کو اُجاگر کرنے والی کتابیں

مصنفہ جناب پرویز

سلیم کے نام خطوط

صفحات ۴۰۸ تقطیع درمیانہ (۲۷×۱۷) مجلد مع گردپوش قیمت چھ روپے (علاوہ محصول ڈاک)

اسلام کے متعلق تعلیم یافتہ طبقہ کے دل میں جو شکوک وشبہات اور اعتراضات پیدا ہوتے ہیں ان کا مدلل جواب اکیس خطوں میں۔ زبان سادہ شگفتہ اور دل نشین۔

ہماری نمازیں۔ روزے۔ اجتماعات۔ شادیاں۔ تہذیب وغیرہ۔ طلاق کا قرآنی مفہوم۔ نظام ربوبیت۔ کمیونزم اور اسلام۔ صلوٰۃ وزکوٰۃ۔ مقام نبوت ورسالت۔ انسانی فطرت کچھ نہیں۔ انسانی صلاحیتیں اور اخلاق خدا کا تصور۔ آزادی کا صحیح مفہوم۔

فردوس گم گشتہ

صفحات ۴۱۶۔ تقطیع درمیانہ (۲۰×۱۷) مجلد مع گردپوش۔ قیمت چھ روپے (علاوہ محصول ڈاک)

پرویز صاحب کے ۲۹ مضامین کا مجموعہ جو زندگی کے اہم حقائق پر مشتمل ہیں۔ مثلاً ایمان وعمل۔ عقائد مسلمان کی زندگی۔ عبادت۔ نجات۔ ثواب۔ زکوٰۃ۔ نیز عید الضحیٰ۔ عید الفطر۔ لیلۃ القدر۔ اور معراج کی وضاحت۔

اسبابِ زوالِ اُمّت

صفحات ۱۷۶۔ تقطیع چھوٹی (۲۰×۳۰/۱۶) مجلد مع گردپوش۔ قیمت دو روپے (علاوہ محصول ڈاک)

آدم جنت میں تھا۔ ابلیس کا فریب کھاکر جنت سے نکالا گیا۔ کیا وہ ___ دوبارہ جنت میں جاسکتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ ہاں ___ اسلام دین یعنی نظام زندگی ہے ___ مذہب رسومات کے مجموعہ کا نام ہے ___ دین کو مذہب بنادینا باعث زوالِ اُمت ہے۔ اُمت کا عروج موجودہ مذہب کی جگہ دین کے قیام سے ہوسکتا ہے۔

اسبابِ زوالِ اُمت کا یہ تجزیہ مسلمانوں کی تاریخ میں پہلی کامیاب کوشش ہے۔

اس پتہ سے منگوالیجیے

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام

۲۵۔ بی ___ گلبرگ کالونی ___ لاہور

LAND REFORM

Open letter to the Chairman, Land Reforms Commission

Sir,—You have been asked to consider problems relating to the ownership and tenancy of agricultural land and to recommend measures for ensuring better production and social justice as well as security of tenure for those engaged in cultivation of land.

Your assignment forms part of the major reforms in the national life of Pakistan which Government have decided to introduce. The assignment is noble and far-reaching, and if handled well, may bring you the blessings not only of the present and future generations in Pakistan but of the Muslims all over the world. In fulfilling the assignment you will, no doubt, bear in mind the message of the President of Pakistan, General Mohammad Ayyub Khan, in which he said : "We hope that the ideals which inspired the creation of Pakistan would be made a reality for our fellow countrymen." The ideal which inspired the creation of Pakistan was, as you know, that we Muslims should have a place where we could live and shape our life according to our own genius.

I have been all my life a student of the Holy Quran, the fountainhead of Islam and the sacred repository of all that goes to make up Muslim genius. A people's genius pervades through, and should be reflected in, all aspects of individual and collective life, whether social, political or economic. The question of land with which we are now concerned, has such an intimate bearing on man's life on earth that I feel it may bounden duty to place before you what I have been able to gather by a close study of the Quran.

Land is a free gift of Allah like air and sunshine, and every human being has, according to the Quran, an equal right of access to its benefits in proportion to his needs. Sunshine and air are not owned by individuals; they have free access to their use. Similarly, there is, in the Quran's view, no question of ownership of land by individuals. Land is a source of production and the basic problem is how to make it yield the maximum it can. The system of individual ownership of bits of land has not only failed to get the maximum produce but has confronted the administration with numerous intricate problems. This system represents what vested interests have evolved and maintained through the ages, subjecting the cultivators to untold disabilities. The system taught by the revealed word of Allah does away with inequities and focusses the attention entirely on getting the maximum yield from land and distributing the yield equitably.

The basic features of the Quranic system very briefly are :—

(1) The State shall be responsible for providing each and every citizen with the basic needs of life, namely food, clothing, shelter, medicine, education, etc. The emphasis is on responsibility and the State is not left just to try for the provision of the needs.

(2) To enable the State to fulfil the above responsibility, the control of the sources and the means of production shall be placed in the hands of the State.

(3) The provision of basic needs is not an end in itself but is to be made a means for bringing out the best in man and developing his 'Personality' remembering always that a developed Personality can survive the shock of death, marching onward to realise its further unfolded possibilities.

(4) The preceding clause shows where and how, *inter-alia*, the Quranic Social Order goes far ahead of the Communistic Order, the end all and be all of which is the provision of only physical needs at the cost of human individuality. The Quranic Order takes upon itself the responsibility of providing physical needs to set the individual free to devote his entire attention upon development of his Personality in that Social Order.

For a comprehensive treatment of the Quranic Social Order and its differences with Communism, I would invite attention to my book "Nizam-e-Rabubiyyat". I have discussed the subject also in a paper which I read in January last at the International Islamic Colloquium on "Economics in the Social Structure of Islam," which is available in print.

I suggest for your earnest consideration that in making your recommendations about land reform, you will kindly bear in mind —

(*a*) that the reforms should be a step towards the basic concept of Pakistan, namely the Islamic way of life ;

(*b*) that the Quranic Social Order does not recognise private ownership of land ;

(*c*) that in the Quranic Social Order land is placed under the control of the State to enable it to fulfil its duty of seeing to it that every citizen is provided with basic necessities of life ;

(*d*) that provision of basic necessities of life is a step towards developing human personality ; and

(*e*) that the Quranic Social Order is basically different from and by far ahead of the Communistic Social Order when viewed in the light of the philosophy and ideology behind the two orders.

G. A. PARWEZ,

Member, Islamic Laws Commission,
and
Director, Quranic Research Centre.
25-B, Gulberg,
LAHORE.